دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ
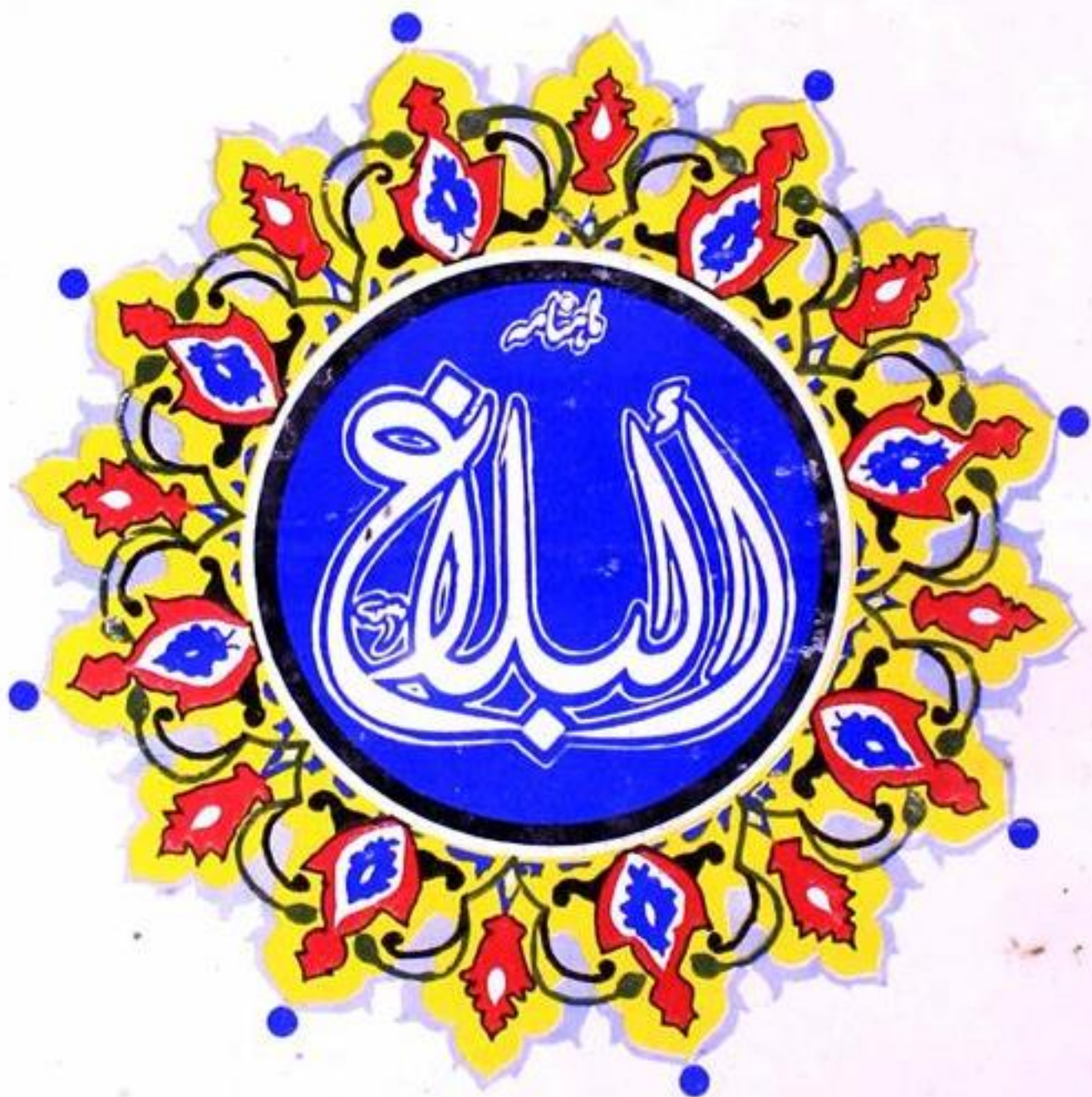
ربیع الاول ۱۴۰۸ھ نومبر ۱۹۸۷ء

بانی

مفتی اعظم پاکستان حضرة مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

هٰذا بَلَاغٌ لِّلنَّاس

ماہنامہ البلاغ

جلد ۲۲

ربیع الاول ۱۴۰۸ھ / نومبر ۱۹۸۷ء

شمارہ ۳

نگراں :

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی

مدیر :

محمد تقی عثمانی

ناظم :

شجاعت علی ہاشمی

قیمت فی پرچہ پانچ روپے

سالانہ پچاس روپے

سالانہ بدل اشتراک :

بیرونِ ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری :

یاستہائے متحدہ امریکہ /۲۳۰ روپے برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ

ـک کانگ، نائیجریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ /۱۸۰ روپے سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت /۱۵۰ روپے

شر: محمد تقی عثمانی دار العلوم کراچی

نٹر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

خط و کتابت کا پتہ : ماہنامہ "البلاغ" دار العلوم کراچی ۱۴

فون نمبر : ۳۱۱۲۱۷
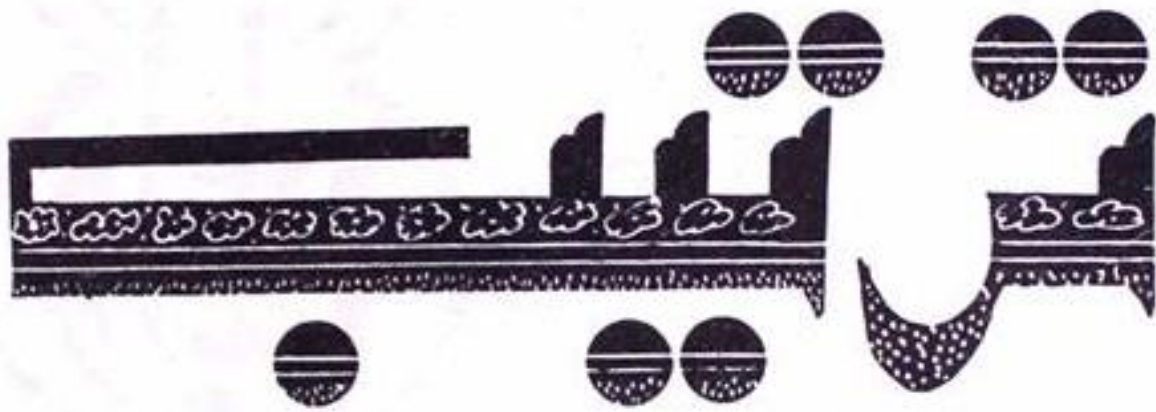
سیرت کی محفلیں، ایک لمحہ فکریہ — محمد تقی عثمانی — ۳

معارف و مسائل

قبولیت دعا — حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ — ۹

مقالات و مضامین

جہیز کی شرعی حیثیت — حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ — ۱۵
احد سے قادیون تک — مولانا محمد تقی عثمانی — ۱۹
جشن میلاد کے بارے میں امام حرم کا خطبہ — ترجمہ علاؤالدین سندھی — ۲۹
لباس کی ابتدا اور اسکی اہمیت — مولانا عبداللہ میمن — ۳۹
اکابر کی وصایا — مولانا اسپار دانش صاحب — ۴۳
مجالس مفتی اعظم پاکستان — مولانا عبدالرؤف سکھروی — ۴۹
کوائف دارالعلوم — عبدالرزاق الفیصل — ۵۵

نقد و تبصرہ

نقد و تبصرہ — ر۔ع۔ھ — ا۔ا۔خ۔س۔ — ۵۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر و فکر:

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور
درود و سلام اُس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

ربیع الاوّل کا مہینہ آرہا ہے، اور ہمارے ملک میں یہ مہینہ سیرۃ النبیؐ کی محفلوں، جلسوں اور کانفرنسوں کی ایک بہار لیکر آتا ہے۔ ملک کی شاید ہی کوئی بستی، اور شہروں کا شاید ہی کوئی محلّہ ایسا ہو جہاں سیرتِ طیبہ کے مبارک تذکرے کیلئے کوئی نہ کوئی محفل منعقد نہ ہوتی ہو۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ ایک ایسا سدا بہار موضوع ہے جو کبھی پُرانا نہیں ہو سکتا، آپؐ کا ذکرِ جمیل دُنیا و آخرت دونوں کی سعادت ہے، اور چونکہ ہر دَور میں اُمّتِ مسلمہ کیلئے صلاح و فلاح کا اگر کوئی راستہ ہو سکتا ہے تو وہ اسی سیرتِ طیبہ کی اتباع میں مضمر ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو ہر مسلمان کا وظیفۂ حیات بننا چاہیئے، اور صرف کسی ایک مہینے میں نہیں، بلکہ سال کے بارہ مہینے گھر گھر اس کا چرچا اور اس کی نشر و اشاعت ہونی چاہیئے۔

لیکن یہاں ایک اہم سوال ہمارے غور اور توجّہ کا طالب ہے۔ اور وہ یہ کہ جب ہم صحابہؓ و تابعین کے زمانے اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں "عیدِ میلاد النبیؐ"، "محفلِ میلاد"، "جلسۂ سیرۃ النبیؐ" یا "سیرت کانفرنس" قسم کی کسی محفل کا کوئی ذکر نہیں ملتا، وہاں حالت یہ نظر

آتی ہے کہ ہر سال ربیع الاوّل کا مہینہ بھی آتا ہے، ربیع الاول کی بارھویں تاریخ بھی گذرتی ہے، لیکن نہ کوئی جلسہ ہے نہ جلوس، نہ کوئی تقریب، نہ چراغاں، نہ زیب وزینت نہ سجاوٹ، دوسرے مہینوں کی طرح ربیع الاوّل کا مہینہ بھی سادگی سے آیا، اور سادگی ہی سے رُخصت ہوگیا۔

لیکن جلسوں جلوسوں اور تقریبات اور کانفرنسوں کے بغیر بھی جب ہم اُس دَور کے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو اُن کی زندگیاں سیرتِ طیبہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہیں، اُن کی ادا ادا سے سیرت وسنت کی خوشبو پھوٹتی ہے، اور اُن کے سراپا میں سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسن وجمال جھلکتا نظر آتا ہے، اور اسی حُسن وجمال کے سہارے اُن کا وجود بذاتِ خود اسلام کی ایک مجسّم دعوت محسوس ہوتا ہے جسے دیکھ دیکھ کر لوگ اسلام کی طرف کھنچتے ہیں، مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کے عروج واقبال کا پرچم مشرق ومغرب پر لہرانے لگتا ہے۔

دوسری طرف ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو نظر آتا ہے کہ ہمارے ملک میں محلّے محلّے سیرت کی محفلیں منعقد ہو رہی ہیں، ربیع الاوّل کا مہینہ آتا ہے تو شہر شہر جلسوں جلوسوں کی ہماہمی شروع ہوجاتی ہے، ۱۲ ربیع الاوّل کو عمارتوں پر چراغاں بھی ہوتا ہے، جگہ جگہ تقریبات اور کانفرنسیں بھی منعقد ہوتی ہیں، اخبارات اور رسائل کے خصوصی ایڈیشنوں میں سیرت پر خوبصورت مضامین بھی شائع ہوتے ہیں، لیکن ہر سال جب "عیدِ میلادالنبیؐ" کی یہ تقریبات اختتام کو پہنچتی ہیں تو ہمارا دامنِ عمل سیرتِ طیبہ کی خوبُو سے شاید اُس سے زیادہ خالی ہوتا ہے جتنا ان تقریبات کے آغاز پر خالی تھا۔ سیرتِ طیبہ پر اتنی تقاریر سُن کر اور اتنے مقالے پڑھ کر بھی ہمارے دِل کی دُنیا نہیں بدلتی، ہمارے دِلوں میں کوئی سوز وگداز پیدا نہیں ہوتا، ہماری زندگی کے طرز وانداز میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اور ہمارے شب وروز جن بدعنوانیوں اور جن گناہوں میں بسر ہو رہے تھے اُن میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اور نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں دیکھ دیکھ کر لوگ اِسلام کے قریب آنے کے بجائے اِسلام سے بھاگتے ہیں، اور اس طرح ہمارا وجود۔ اللہ معاف فرمائے ۔ اِسلام کی دعوت بننے کے بجائے اِسلام کے راستے میں ایک کاوٹ بنکر رہ گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ جس رشکِ ملائک سیرتِ طیبہ کی ایک ایک ادا نے دِلوں کی کایا پلٹ ڈالی، جس نے ۲۳ سال کے مختصر وقت میں جزیرۂ عرب کو نہ صرف بُت پرستی بلکہ جاہلیت کی تمام رسوم سے پاک کر دیا، جس نے ظلم وجہالت کے چھائے ہوئے اندھیرے میں ہدایت کی وہ مشعلیں روشن کر دیں جو قیامِ قیامت تک اِنسانیت کی رہنمائی کرینگی، آج اُس سیرتِ طیبہ کو پڑھ کر اور سُن کر ہمارے اندر کوئی تبدیلی کیوں نہیں آتی؟

اگر آپ حقیقت پسندی کے ساتھ اس سوال کے جواب پر غور کرتے ہوئے قرونِ اولیٰ سے اپنے حالات کا موازنہ کرینگے تو اس نتیجے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ ہمارے اور اُن کے درمیان وہی فرق ہے جو کسی شے کی ظاہری نمائش اور اس کی حقیقت اور رُوح میں ہوتا ہے۔ ہماری ساری

کاوشیں اور تمامتر توانائیاں چند ایسے رسمی مظاہروں کی ادائیگی تک محدود ہیں جو اندر سے کھوکھلے، بے جان اور رُوح سے خالی ہیں۔ ان مظاہروں کی ادائیگی کے ذریعے ہم اپنے آپ کو مسلسل یہ دھوکہ دے رہے ہیں کہ ہم نے سیرتِ طیبہ کا حق ادا کر دیا، ورنہ سیرتِ طیبہ کی روح اور اسکی حقیقت سے ہمارا فاصلہ روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمان ان ظاہری رسموں اور رسمی مظاہروں سے کوسوں دُور تھے، لیکن سیرتِ طیبہ ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھی، انہیں سیرتِ طیبہ کے ذکر کے لئے کوئی محفل منعقد کرنے یا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کیلئے جلوس اور چراغاں کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ ان کی پوری زندگی سیرتِ طیبہ اور عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ڈوبی ہوئی تھی، وہ وہ جہاں بیٹھ گئے، وہیں سیرت کی محفل سج گئی، اُن کے دِلوں میں عشق و محبت کے جو چراغ روشن تھے، ان کے آگے عمارتوں پر جھلملاتے ہوئے چراغوں کی کوئی حیثیت نہ تھی، اُن کی اداؤں سے سیرت و سنت کا جو مظاہرہ ہوتا تھا، وہ جلوسوں اور کانفرنسوں سے بے نیاز تھا، سیرتِ طیبہ اُن کیلئے معاذاللہ۔ کوئی قصۂ پارینہ نہیں تھا جس کی یاد منا کر اُسے زندہ رکھنے کی ضرورت ہو، بلکہ وہ ایک جیتی جاگتی حقیقت تھی، ایک زندگی سے بھرپور پیغام تھا، ایک جان دار دعوت تھی جس کے نُور سے انہوں نے اپنی سیاست و معیشت سے لیکر محراب و منبر تک زندگی کے ہر شعبہ کو منوّر کر رکھا تھا۔

لیکن یہ نفسِ انسانی کی خاصیت ہے کہ جب کسی شئے کی حقیقت کو تھامے رکھنا اس کے آرام طلب مزاج پر بار ہوتا ہے تو وہ چند رسمی مظاہروں میں پناہ لیکر ضمیر کو تھپکیاں دینے کی کوشش کیا کرتا ہے، چنانچہ ہمارے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے، سیرت و سنّت کی حقیقت کو اپنانا ہمارے عیش پرست (اور ذہنی طور پر غلام) مزاج کو شاق گذرتا ہے، تو اس نے چند ظاہری رسموں کو آسان سمجھ کر اختیار کیا ہوا ہے، تاکہ ضمیر کو یہ تسلی دی جاسکے کہ سیرت و سنّت کا حق ادا ہو رہا ہے، دعوتِ دین کا حقیقی راستہ ہمیں کٹھن معلوم ہوتا ہے، لہٰذا ہمارے نفس نے ہمیں کھوکھلی تقریروں اور بے رُوح مقالات کے خول میں بند کر رکھا ہے، دعوت کے خارزاروں میں چلنے کے بجائے داد و توصیف کے نعروں میں تقریر کر لینا زیادہ آسان ہے، لہٰذا ہم یہ تقریریں کر کے مطمئن ہیں کہ دعوتِ دین کا حق ادا ہو رہا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ میدانِ جہاد میں نعرۂ تکبیر بلند کرنے کے بجائے پھولوں کی سیج پر منعقد ہونے والے جلسوں میں نعرے لگانا زیادہ آسان ہے، لہٰذا ہم نے انہی نعروں پر اکتفا کر رکھا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنی زندگی کے طرز و انداز کو بدل کر اُسے سیرت و سنّت کے سانچے میں ڈھالنے کے بجائے کسی جلسے میں بیٹھ کر سیرت کے واقعات پر "سُبحان اللہ" کہدینا، یا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کوئی نعت پڑھ لینا کہیں زیادہ آسان ہے، لہٰذا ہمارے نفس نے بس اسی کو ذریعۂ نجات قرار دے رکھا ہے۔ ہماری حکومت کو احساس ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو سرکاری

سطح پر عملاً نافذ کرنے کے بجائے سال کے کسی ایک دن کسی ہوٹل میں سیرت کانفرنس کا اہتمام یا ذرائع ابلاغ پر تقریروں اور مذاکروں اور عمارتوں پر چراغاں کا انتظام زیادہ آسان ہے، لہٰذا اُس نے اسی عمل کو اپنے "نفاذِ اسلام" کی علامت کے طور پر اختیار کر رکھا ہے۔

غرض جدھر دیکھئے، ہم رسوم وظواہر کے پردے میں اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ ہم نے سیرت النبیؐ کا حق ادا کر دیا۔ ورنہ جہاں تک سیرتِ طیبہ کی حقیقی رُوح کا تعلق ہے، اُس سے نہ صرف یہ کہ ہم نے دُور کا بھی واسطہ نہیں رکھا، بلکہ مسلسل اس سے روگردانی پر تُلے ہوئے ہیں۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ ٹھیک ان جلسوں اور محفلوں میں جو ہم سیرت کے نام پر منعقد کرتے ہیں، ہماری طرف سے بسا اوقات کھلم کھلا سیرت وسنّت کی مخالفت، بلکہ اس سے غدّاریاں سرزد ہوتی ہیں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح احکام کی علانیہ خلاف ورزیاں کی جاتی ہیں، مرد وزن کا بے محابا اختلاط ہوتا ہے، نعتیں پڑھنے کیلئے سازوسرود کا سہارا لیا جاتا ہے، تصویر سازی کی جاتی ہے، تقریروں میں غیبت اور بہتان کا بازار گرم ہوتا ہے، جلسوں جلوسوں کے انتظام میں نمازیں قضا ہوتی ہیں۔ اور اس کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان رسمی مظاہروں سے سیرت وسنّت زندہ ہو رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا،

بلاشبہ تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ کا اور یومِ آخرت کا یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے حقیقی ہدایت ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر نہ صرف یقین رکھتے ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہوں، جو سیرتِ طیبہ کا مذاکرہ صرف نمود ونمائش یا رسم پوری کرنے کے لئے نہیں، بلکہ ہدایت کی سچی طلب لیکر کریں، جن کے دِلوں میں حق کی تشنگی ہو، اور وہ واقعۃً اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہوں۔ اس معیار پر ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لیکر دیکھ سکتا ہے کہ وہ کس نیت اور کس مقصد سے یہ محفل منعقد کر رہا ہے؟ اور اس میں قرآن کریم کی بیان فرمائی ہوئی یہ شرائط پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

اگر واقعۃً ہدایت کی سچی تڑپ اور اصلاحِ حال کا حقیقی جذبہ لیکر ہم سیرتِ طیبہ کا مذاکرہ کریں تو ممکن نہیں ہے کہ ہماری عملی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ اگر ہم اتنا ہی تہیّہ کرلیں کہ سیرتِ طیبہ کے ذکرِ مبارک کے بعد ہم میں سے ہر شخص کم از کم دس ایسی سنّتوں پر عمل پیرا ہوگا جن پر وہ پہلے کاربند نہیں تھا، تو تھوڑے ہی عرصے کے اندر ہمارے معاشرے میں انقلاب آسکتا ہے۔ معاشرے کی

وہ برائیاں جو ہمیں گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں، ان کے لئے سیرتِ طیبہ سے ہدایت طلبی ہی مؤثر علاج بن سکتی ہے۔ اگر سیرتِ طیبہ کی ان محفلوں میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ زندگی اور آپؐ کی تعلیمات کے حوالے سے ان معاشرتی برائیوں کو موضوع بنایا جائے، کہنے والے کے دل میں دعوت و اصلاح کا سوز ہو، اور سننے والے اصلاحِ حال کی تشنگی لیکر جائیں، تو ایک ایک کر کے ساری معاشرتی برائیوں کا سدِ باب ہو سکتا ہے۔

یہ ایک لمحۂ فکر یہ ہے جس پر ہم سب کو دردمندی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ ہمیں سیرتِ طیبہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور اس کے حقیقی تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

۲۰؍ صفر ۱۴۰۸ھ
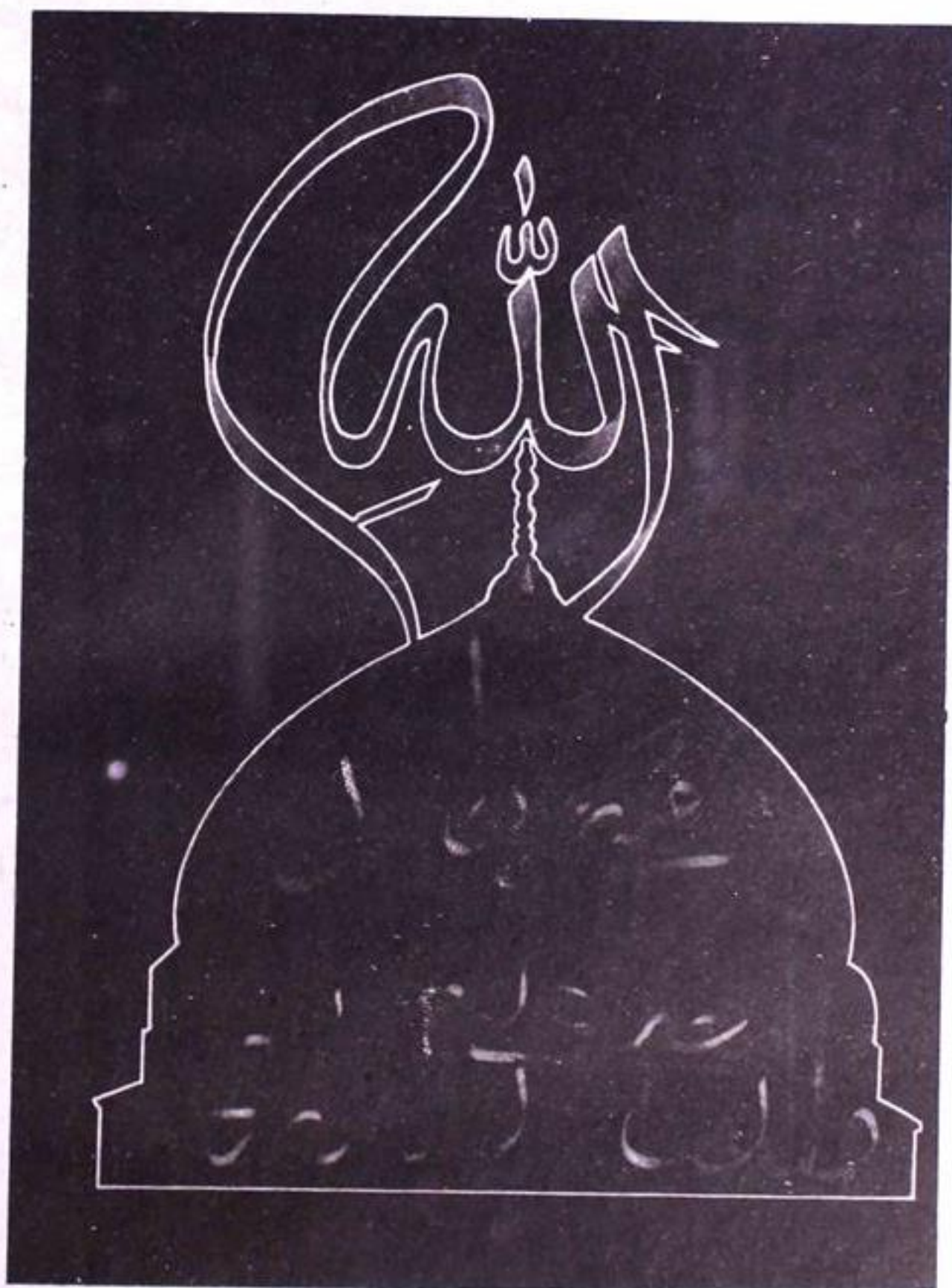
خلاصۂ تفسیر

آپ (ان کی شدتِ عناد سے محزون نہ ہوجیئے اور اللہ سے دعا میں یہ) کہئے کہ اے اللہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے آپ ہی (قیامت کے روز) اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرمادیں گے جن میں باہم وہ اختلاف کرتے تھے (یعنی آپ ان معاندین کی فکر میں نہ پڑیئے، بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے وہ خود عملی فیصلہ کردیں گے) اور (اس فیصلہ کے وقت یہ حالت ہوگی کہ) اگر ظلم (یعنی شرک وکفر) کرنے والوں کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تو وہ لوگ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹ جانے کے لئے (بے تامل) ان کو دینے لگیں (گو مقبول نہ ہو کما فی المائدۃ ما تقبل منهم) اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آوے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا (کیونکہ اول تو آخرت کے منکر تھے پھر اس میں بھی اس کے مدعی تھے کہ وہاں بھی ان کو عزت ودولت ملے گی) اور (اس وقت) ان کو تمام اپنے برے اعمال ظاہر ہوجاویں گے اور جس (عذاب) کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا (یوں تو مشرک غیر اللہ کے ذکر سے مسرور اور صرف اللہ کے ذکر سے نفور رہتا ہے) پھر جس وقت (اس مشرک) آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو (جن کے ذکر سے مسرور ہوا کرتا تھا ان سب کو چھوڑ کر صرف) ہم کو پکارتا ہے (جس سے پہلے نفور تھا) پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو (اس توحید پر جس کا حق ہونا خود اس کا اقرار سے ثابت ہوچکا تھا قائم نہیں رہتا چنانچہ اس نعمت کی حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ یوں) کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو (میری) تدبیر سے ملی ہے (اور چونکہ نسبت

حق تعالیٰ کی طرف نہیں کرتا بلکہ اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھتا ہے اس لئے توحید پر قائم نہیں رہتا بلکہ اپنے قدیم طریقہ شرک کی طرف عود کرکے غیر اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے۔ آگے حق تعالیٰ اس کے قول " اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ " کو رد فرماتے ہیں کہ نعمت اس کی تدبیر کا نتیجہ نہیں ہے) بلکہ وہ (نعمت خدا کی دی ہوئی اور اس کی طرف سے انسان کی) ایک آزمائش ہے (کہ دیکھیں اس کے ملنے پر ہم کو بھول جاتا ہے اور کفر کرتا ہے یا یاد رکھتا ہے اور شکر کرتا ہے اسی آزمائش کے لئے بعض نعمتوں میں اسباب کسب کا واسطہ بھی رکھ دیا ہے۔ اس سے اور زیادہ آزمائش ہو گئی کہ دیکھیں اس ظاہری سبب پر نظر کرتا ہے یا علت حقیقیہ پر) لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) سمجھتے نہیں (اس لئے اس کو اپنی تدبیر کا نتیجہ بتلاتے ہیں اور مبتلائے شرک ہوتے ہیں آگے تفریع ہے کہ) یہ بات (بعض) ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ (جیسے قارون نے کہا تھا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ یا جو لوگ منکر صانع کے ہو گذرے ہیں، جیسے نمرود و فرعون ظاہر ہے کہ وہ بھی کسی نعمت کی نسبت خدا کی طرف نہ کرتے تھے بلکہ غیر مکتسب اور غیر اختیاری میں بخت و اتفاق کی طرف اور مکتسب و اختیاری میں ہنر اور تدبیر کی طرف نسبت کرتے تھے) سو ان کی کارروائی ان کے کچھ کام نہ آئی (اور مانع عن العذاب نہ ہوئی) پھر (مانع نہ ہو سکنے کے بعد دافع للعذاب بھی نہ ہوئی بلکہ) ان کی تمام بداعمالیاں ان پر آ پڑیں (اور سزایاب ہوئے) اور (زمانۂ حال کے لوگ یہ خیال نہ کریں کہ جو کچھ ہونا تھا اگلوں کے ساتھ ہو چکا بلکہ) ان میں بھی جو ظالم ہیں ان پر بھی ان کی بداعمالیاں ابھی پڑنے والی ہیں اور یہ (خدا تعالیٰ کو) ہرا نہیں سکتے (چنانچہ بدر میں خوب سزا ہوئی آگے اس کی دلیل بیان فرمائی کہ بعضے احمق جو نعمت و رزق کو اپنی تدبیر کی طرف منسوب کرتے ہیں تو) کیا ان لوگوں کو (احوال میں غور کرنے سے) یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور وہی (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی بھی کر دیتا ہے (اس بسط و قدر) میں (غور کرنے سے) ایمان والوں کے واسطے (کہ اہل فہم ہوتے ہیں اس بات پر) نشانیاں (یعنی دلائل قائم) ہیں (کہ باسط و قابض وہی ہے تدبیر و تو تدبیر اس میں علت حقیقیہ نہیں پس ان دلائل کو جو شخص سمجھ لے گا وہ اپنی تدبیر کی طرف نسبت نہ کرے گا بلکہ خدا کے منعم ہونے سے ذہول نہ کرے گا جو سبب ہو گیا تھا۔ ابتلا بالشرک کا بلکہ وہ موحد رہے گا اور مصیبت و راحت میں اس کا حال و قال متناقض و متعارض نہ ہوگا)

معارف و مسائل

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیہ۔ صحیح مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے صدیقہ عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز (یعنی تہجد) کو کس چیز سے شروع فرماتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ جب تہجد کی نماز کو اٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ، اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

قبولیت دعا حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن کریم کی ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اس کو پڑھ کر آدمی جو دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے۔ پھر یہی آیت بتلائی:۔

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الاٰیۃ۔ (قرطبی)

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۔ حضرت سفیان ثوری رحنے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ ہلاکت ہے ریاکاروں کے لئے ہلاکت ہے ریاکاروں کے لئے۔ یہ آیت انھیں سے متعلق ہے جو دنیا میں نیک کام لوگوں کو دکھلانے کے لئے کرتے تھے۔ اور لوگ بھی ان کو نیک سمجھتے تھے وہ خود بھی اس دھوکہ میں تھے کہ یہ اعمال ان کے لئے نجات آخرت کا ذریعہ بنیں گے۔ مگر چونکہ ان میں اخلاص نہیں تھا، اس لئے اللہ کے نزدیک ایسے نیک اعمال کا کوئی اجر و ثواب نہیں، اس لئے وہاں اچانک اُن کے گمان کے خلاف عذاب و عتاب ہونے لگے گا۔

(قرطبی)

مشاجرات صحابہ کے متعلق ایک اہم ہدایت حضرت ربیع ابن خثیم سے کسی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے ایک آہ بھری اور اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ الاٰیۃ۔

اور فرمایا کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کے متعلق جب تمہارے دل میں کوئی کھٹک پیدا ہو تو یہ آیت پڑھ لیا کرو۔ روح المعانی میں اس کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ عظیم الشان تعلیم ادب ہے جس کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔

سورہ زمر ✻ آیت ۵۳ تا ۶۱

خلاصۂ تفسیر

آپ (ان سوال کرنے والوں کے جواب میں میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو (اور یہ خیال نہ کرو کہ ایمان لانے کے بعد گذشتہ کفر و شرک پر مواخذہ ہوگا سو یہ بات نہیں بلکہ) بالیقین اللہ تعالیٰ (اسلام کی برکت سے) تمام (گذشتہ) گناہوں کو (گو کفر و شرک ہی کیوں نہ ہو) معاف فرما دے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت کرنے والا ہے اور (چونکہ اس معافی کی شرط اور طریقہ کفر سے توبہ کرنا اور اسلام لانا ہے اس لئے) تم (کفر سے توبہ کرنے کے لئے) اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور (اسلام قبول کرنے میں) اُس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ (اسلام نہ لانے کی صورت میں) تم پر عذاب (الٰہی) واقع ہونے لگے (اور) پھر (اُس وقت کسی کی طرف سے) تمہاری کوئی مدد نہ کی جاوے (یعنی جیسا اسلام لانے کی صورت میں سب کفر و شرک معاف ہو جاوے گا، اسی طرح اسلام نہ لانے کی صورت میں اس کفر و شرک پر عذاب ہوگا۔ جس کا کوئی دفعیہ نہیں) اور (جب یہ بات ہے کہ اسلام نہ لانے کا یہ انجام ہے تو) تم (کو چاہیئے کہ تم) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو (اس کا) خیال بھی نہ ہو (مراد اس سے عذاب آخرت ہے بقرینہ ما بعدہٗ اور اچانک یا تو اس لئے

کہا کہ نفخۂ اولیٰ میں سب ارواح مدہوش ہو جاویں گی پھر نفخۂ ثانیہ کے بعد ادراک عذاب اچانک ہونے لگے گا اور یا اس لئے کہ جیسا عذاب واقع ہو گا قبل وقوع اس کی حقیقت کا ادراک نہ تھا اور ویسا گمان نہ تھا، گمان کے خلاف واقعہ سامنے آنے کو اچانک سے تعبیر کیا گیا، اور یہ انابت و اسلام و اتباع کا حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ) کبھی (کل قیامت کے روز) کوئی شخص کہنے لگے کہ افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی (یعنی اس کی اطاعت میں جو مجھ سے تقصیر ہوئی) اور میں تو احکام خداوندی پر ہنستا ہی رہا یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ (دنیا میں) مجھ کو ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا (مگر ہدایت ہی سے محروم رہا اس لئے یہ تمام تر تقصیر وکوتاہی ہوئی جس میں معذور ہوں) یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یوں کہنے لگے کہ کاش میرا (دنیا میں) پھر جانا ہو وے پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں (دوسرے قول میں جو یہ کہا گیا تھا کہ اگر مجھے ہدایت کی جاتی تو میں بھی متقی ہو جاتا۔ آگے اس کے جواب میں فرمایا ہے) ہاں بے شک تیرے پاس میری آیتیں پہونچی تھیں، سو تو نے اُن کو جھٹلایا اور (جھٹلانا کسی شبہ سے نہ تھا بلکہ) تو نے تکبر کیا اور (یہ بھی نہ ہوا کہ دوسرے وقت دماغ درست ہو جاتا بلکہ) کافروں میں (ہمیشہ) شامل رہا (اور اس لئے تیرا یہ کہنا غلط ہے کہ مجھے ہدایت نہیں پہونچی) اور (آگے مصر علی الکفر و تائب عن الکفر کی سزا و جزا کا مختصراً ذکر فرماتے ہیں کہ اے پیغمبر) آپ قیامت کے روز ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا (اس میں دو امر آگئے جو بات خدا نے نہیں کہی ہے، مثل شرک وغیرہ اس کو یہ کہنا کہ خدا نے کہی ہے اور جو بات خدا نے کہی، جیسے قرآن اس کو یہ کہنا کہ خدا نے نہیں کہی ہے) کیا ان منکرین کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے (جو کہ عناداً و استکباراً تکذیب کریں) اور جو لوگ (شرک و کفر سے) بچتے تھے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا ان کو (ذرا) تکلیف نہ پہونچیگی اور نہ وہ غمگین ہوں گے (کیونکہ جنت میں غم نہیں ہے۔

معارف و مسائل

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الآیہ۔ سعید بن جبیرؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے قتل ناحق کئے اور بہت کئے اور زنا کا ارتکاب کیا اور بہت کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت اچھا لیکن فکر یہ ہے کہ جب ہم اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر چکے اب اگر مسلمان بھی ہو گئے تو کیا ہماری توبہ قبول ہو سکے گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مذکورہ نازل فرمائی (ذکرہ البخاری بمعناہ۔ قرطبی)

اس لئے خلاصہ آیت کے مضمون کا یہ ہوا کہ مرنے سے پہلے پہلے ہر بڑے سے بڑے گناہ یہاں تک کہ کفر و شرک سے بھی جو توبہ کر لے قبول ہو جاتی ہے اور سچی توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کسی کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت گناہ گاروں کے لئے قرآن کی سب آیتوں سے زیادہ امید افزا ہے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ رجاء و امید کی یہ آیت ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ۔ (احسن ما انزل سے مراد قرآن ہے اور پورا قرآن احسن ہی ہے اور قرآن کو احسن ما انزل اس اعتبار سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ جتنی کتابیں تورات انجیل، زبور، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ اُن سب میں احسن واکمل قرآن ہے۔ (قرطبی)

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى سے مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ تک ۔ کی تین آیتوں میں اُسی مضمون کی تشریح و تاکید ہے جو اس سے پہلے کی تین آیتوں میں بیان فرمایا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے مجرم کافر فاجر کو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے اگر وہ توبہ کرلے گا تو اللہ اس کے سب پچھلے گناہ معاف فرما دے گا۔ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ سے تین آیتوں میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ یہاں تک کفر و شرک کو بھی توبہ سے معاف فرما دیتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ توبہ کا وقت مرنے سے پہلے ہے۔ مرنے کے بعد قیامت کے روز کوئی توبہ کرے یا اپنے کئے پر حسرت کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

جیسا کہ بعض کفار فجار قیامت کے روز مختلف تمنائیں کریں گے۔ کوئی تو اظہار حسرت کرے گا کہ افسوس میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کیوں کی تھی۔ کوئی وہاں بھی اپنا الزام تقدیر پر ڈال کر بچنا چاہے گا وہ کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت کردیتا تو میں بھی متقیوں میں داخل ہوتا ہے۔ مگر خدا نے ہی ہدایت نہ کی تو میں کیا کروں۔ کوئی یہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجدیا جائے تو میں سچا پکا مسلمان بنوں اور اللہ کے احکام کی پوری اطاعت کروں۔ مگر اس وقت کی یہ حسرتیں اور تمنائیں کسی کے کام نہ آئیں گی۔

یہ تین قسم کی تمنائیں ہوسکتا ہے کہ مختلف لوگوں کی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تینوں تمنائیں یکے بعد دیگرے ایک ہی جماعت کے کفار کی طرف سے ہوں، کیونکہ آخری قول جس میں دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا ہے اس کے ساتھ آیت میں مذکور ہے کہ وہ عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہوگا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دونوں قول مشاہدہ عذاب سے پہلے کے ہیں کہ قیامت کے روز اول ہی اپنے عمل کی تقصیرات کو یاد کرکے کہیں گے۔ يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ۔ پھر عذر اور بہانے کے طور پر کہیں گے کہ ہم تو معذور تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت کردیتا تو ہم بھی مطیع و فرمانبردار اور متقی بن جاتے۔ مگر جب اس نے ہدایت ہی نہ کی تو ہمارا کیا قصور ہے، پھر جب عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو یہ تمنا ہوگی کہ کاش دنیا میں دوبارہ بھیجدیئے جاویں۔ حق تعالیٰ نے ان تینوں آیتوں میں بتلا دیا کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت بہت وسیع ہے، مگر وہ جبھی حاصل ہوسکتی ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کرلو۔ اس لئے ہم ابھی بتلائے دیتے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم مرنے کے بعد پچھتاؤ اور آخرت میں اس طرح کی فضول حسرت تمنائیں مبتلا ہو۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا ۔ اس آیت میں کفار کی اس بات کا جواب ہے کہ اگر اللہ ہدایت کردیتا تو ہم متقی ہوجاتے۔ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے پوری ہدایت کردی تھی اپنی کتابیں اور آیتیں بھیجی تھیں اس لئے ان کا یہ کہنا غلط اور لغو ہے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت نہیں کی۔ ہاں ہدایت کرنے کے بعد نیکی اور اطاعت پر اللہ نے کسی کو مجبور نہیں کیا۔ بلکہ بندہ کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ جس راستے حق یا باطل کو اختیار کرنا چاہے کرے یہی بندہ کا امتحان تھا، اس پر اس کی کامیابی یا ناکامی موقوف تھی جس نے اپنے اختیار سے گمراہی کا راستہ اختیار کرلیا وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو وہ ظلم کا خوگر ہوتا ہے نہ ہی وہ اسے رسوا و بے آبرو ہونے دیتا ہے۔ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو خدا اُس کی ضرورت پوری کرے گا اور جو اپنے مسلمان بھائی کی تنگی و پریشانی دُور کرے گا تو خدا قیامت کے دن اس کی پریشانیوں کو دُور کرے گا اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کی خدا قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (متفق علیہ)

• حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ

جہیز کی شرعی حیثیت

یہ مضمون مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے ایک سوالنامے کے جواب میں تحریر فرمایا تھا، جو اب تک کہیں شائع نہیں ہوا۔ حضرتؒ کے مسودات میں سے یہ نادر تحریر پیش خدمت ہے۔ انشاء اللہ ایسی نادر تحریریں آئندہ بھی پیش کی جائیں گی ——— ادارہ

لڑکیوں کی شادی میں جہیز کے متعلق آپ کے سب سوالات کے جواب کی نہ فرصت ہے نہ ضرورت، جتنی بات ضروری ہے وہ عرض کرتا ہوں۔

یہ حقیقت ہے کہ جہیز کی رسم نے ہمارے معاشرہ میں جو صورت اَب اختیار کرلی ہے، وہ بیشمار مفاسد اور دینی، دُنیوی خرابیوں پر مشتمل ہے۔ جس کے نتیجہ میں بیشمار معصوم لڑکیاں نکاح کے بغیر بیٹھی رہتی ہیں، اور بیشمار وہ لوگ ہیں، جو اس کام کیلئے سُودی قرضے لیکر اپنے دین و دُنیا کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔ رسمیں ایسی چل پڑی ہیں کہ بہت سی ایسی گراں قیمت اشیا جہیز کیلئے ضروری سمجھی جاتی ہیں، جو عموماً کام نہیں آتیں۔ غرض یہ رسم بیحد مفاسد پر مشتمل ہے۔

مُسلم برادریوں اور جماعتوں کا فرض ہے کہ اس رسم بد کی اصلاح کیلئے مؤثر قدم اُٹھائیں۔ اگر حکومت پاکستان اس سلسلہ میں کوئی قدم اُٹھاتی ہے یا جہیز کی کوئی مناسب تحدید کرتی ہے تو وہ بلاشبہ مسلمانوں کی صلاح و فلاح کا ذریعہ ہے۔ مسلمانوں کو بطیب خاطر اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔

جہیز کی شرعی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ اپنی اولاد و اقرباء کی صلہ رحمی اور اعانت و ہمدردی ہے جس کی ضرورت اور فضائل سے قرآن و حدیث کے بیشمار آیات و روایات بھری ہوئی ہیں۔ لیکن ہر امداد و اعانت کیلئے ایسی استطاعت وقدرت مشروط ہے جس کے پیچھے شخصی یا قومی پریشانیاں پیدا نہ ہوں۔ اور ان کی صحیح تحدید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے تعامل سے ہی پہچانی جا سکتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں، چاروں کا نکاح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے سب سے پہلی اور بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ ہیں جن کی شادی مکہ مکرمہ میں ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے خالہ زاد بھائی ابو العاص ابن ربیع کیساتھ ہوئی تھی یہ اُس وقت مسلمان نہیں تھے اور اُس وقت تک غیر مسلموں سے مسلمان عورت کا نکاح اسلام میں جائز تھا۔ ان کی شادی حضرت خدیجہؓ کی حیات میں ہوئی تھی، نکاح کے وقت کہیں مذکور نہیں کہ ان کو جہیز کچھ دیا گیا تھا یا نہیں۔ اور دیا گیا تھا تو وہ کیا تھا۔ ابو العاص کا معاملہ حضرت زینبؓ کیساتھ نہایت شریفانہ تھا اسی لئے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت زینبؓ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ہی رہیں۔ بعد میں جب غزوہ بدر میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ میں پہلی جنگ ہوئی اور مُسلمانوں کو اس میں حیرت انگیز طور پر فتح مُبین حاصل ہوئی۔ اس میں ابو العاص بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک تھے اس جنگ میں قریش کے بہت بڑے بڑے سردار مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہو کر مُسلمانوں کی قید میں آئے۔ ان قیدیوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ داماد ابو العاص بھی تھے۔

یہ تھی اسلامی مساوات کہ اس قریبی رشتے کے باوجود ان کیساتھ کوئی رعایت نہیں کی گئی۔
جب بدر کے سبھی قیدیوں کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ ان کو فدیہ کی کچھ مقررہ رقم دیکر آزاد کر دیا جائے تو مکہ مکرمہ سے سب نے اپنے اپنے عزیزوں کی رہائی کیلئے فدیہ کی رقم بھیجی۔ سردار دو عالم کی صاحبزادی زینبؓ نے بھی اپنے شوہر کی رہائی کے لئے اپنا گلے کا ہار بھیجدیا۔ یہ ہار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اُس وقت یہ راز کھلا، یہ کہ یہ ہار زینبؓ کی شادی کے وقت ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے ان کو جہیز میں دیا تھا۔ حضرت زینبؓ سے ان کی والدہ کی یادگار سامنے آئی تو یہ طبعی تاثر ہوا۔

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا ہار لینے میں قلبی دُکھ تھا مگر مالِ غنیمت میں سب شرکائے جہاد کا حصّہ ہوتا ہے اس لئے خود اپنی رائے سے معاف نہ کر سکتے تھے۔ صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اگر آپ سب راضی ہوں تو ان کا ہار واپس کر دیا جائے اور ابو العاص کو ویسے ہی آزاد کر دیا جائے۔ سب حضرات نے بدل و جان قبول کیا اور یہ ہار واپس ہوا، اُس وقت یہ لوگوں کو پتہ چلا کہ حضرت زینبؓ کو بوقت شادی یہ ہار ملا تھا۔

ان کے بعد دوسری صاحبزادی رقیہؓ اور اُن کی وفات کے بعد تیسری صاحبزادی ام کلثومؓ کا

نکاح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ سے کیا تھا ان دونوں کے متعلق کہیں مذکور نہیں۔ کہ ان کو جہیز میں کوئی چیز دی گئی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ حضرت عثمانؓ اغنیاء صحابہ میں سے تھے ان کے یہاں کوئی چیز بھیجنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

آخر میں سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراءؓ تھیں جن کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی حضرت علیؓ کے ساتھ کی تھی ان کے متعلق حافظ حدیث ابن حجرؒ نے اپنی کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں لکھا ہے کہ ان کو بوقت شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں یہ چند چیزیں عطا فرمائی تھیں۔

ایک بستره، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں روئی کے بجائے کھجور کا گودا بھرا ہوا تھا۔ دو چکیاں، دو مشکیزے اور ایک روایت میں چار تکیے آئے ہیں اور ایک روایت میں ایک چارپائی کا بھی ذکر ہے۔

مواہب لدنیہ کی روایت میں ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہؓ کی نسبت کیلئے عرض کیا تو آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ تمھارے پاس کچھ مال ہے تو حضرت مرتضیٰؓ نے عرض کیا کہ ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے آپؐ نے فرمایا کہ گھوڑا تو تمھارے جہاد کے واسطے ضروری ہے زرہ کو فروخت کردو۔ اُنہوں نے اس کو فروخت کر کے اسکی رقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سپرد کر دی کیونکہ ان کے والد ابو طالب کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی پرورش بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے گھر میں ہوئی تھی اس لئے والد کے قائم مقام بھی آپؐ ہی تھے۔ آپؐ نے اس رقم کو مہر کیلئے مخصوص کر دیا اور کچھ درہم حضرت بلالؓ کو عطا فرمائے کہ کچھ خوشبو خرید لائیں۔ اور بعض روایات میں ایک چارپائی اور ایک چمڑے کے تکیہ کا بھی ذکر ہے۔ یہ چیزیں گویا خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی جانب سے تیار کرائی گئیں۔

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیوں کے جہیز کا حال ان روایات سے آپنے معلوم کر لیا۔ جس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ لڑکی کو بوقت شادی کچھ ضروری چیز سادگی سے جہیز میں دیدینا سُنّت سے ثابت ہے، لیکن اصول شریعت کے لحاظ سے جو چیز جس درجے میں ثابت ہو اس کو اسی درجہ میں رکھنا ضروری ہے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعین کے عمل سے یہ واضح ہے کہ جہیز دینے کو نہ نکاح کا کوئی لازمی جزء سمجھا گیا، نہ اس کی ایسی پابندی کی گئی کہ تنگی ترشی کی ہر حالت میں جہیز ضرور ہی دیا جائے، اور اس کے بغیر لڑکی کی شادی محال سمجھی جائے، اور نہ جہیز کی مقدار اتنی زیادہ رکھی گئی جتنی آجکل معمول بن گئی ہے، اس کے برعکس ہمارے زمانے میں جہیز کو جس طرح نکاح کا لازمی جزء قرار دیدیا گیا ہے، جس طرح اس کے بغیر لڑکی کی شادی کو ناک کٹوانے کا مرادف سمجھ لیا گیا ہے، اور جس طرح اس کی مقدار میں نام و نمود اور دکھلاوے کی خاطر روز بروز اضافہ کیا جا رہا ہے کہ غریب سے غریب انسان قرض لیکر، رشوت اور مالِ حرام استعمال کر کر کے اس مقدار کو پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے،

اور جب تک اس پر قدرت نہ ہو، لڑکیاں بغیر نکاح کے بیٹھی رہتی ہیں، یہ پورا طرزِ عمل سُنّت کے قطعی خلاف ہے، اور اس سے بیشمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ لہٰذا اس کی اصلاح کے لئے ہر اقدام مستحسن اور قابلِ تائید ہے۔

البتہ یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس قسم کی خرابیوں کی اصلاح محض قانون بنا دینے سے کبھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ لوگ دنیا کے ہر قانون سے بچنے کیلئے ہمیشہ چور دروازے نکالتے آئے ہیں، معاشرتی اصلاح کے لئے کوئی قانون اُس وقت تک مفید نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں کے ذہن نہ بدلے جائیں، لہٰذا ضرورت اس کی ہے کہ مختلف خاندانوں اور برادریوں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اس بُرائی کو ختم کرنے کے لئے پوری لگن کے ساتھ کام کریں۔ نیز معاشرے میں سادگی اختیار کرنے کیلئے ہمہ گیر تحریک چلائی جائے جس کی ابتدا اعلیٰ حکام اپنے آپ سے کریں، سرکاری اور اعلیٰ حکام کی نجی تقریبات میں فضول خرچی سے اِجتناب کیا جائے، اور عملاً سادگی اختیار کر کے عوام کو دکھایا جائے۔ اس کے بغیر اس قسم کی معاشرتی بُرائیوں کا انسداد ممکن نہیں۔

محمد تقی عثمانی
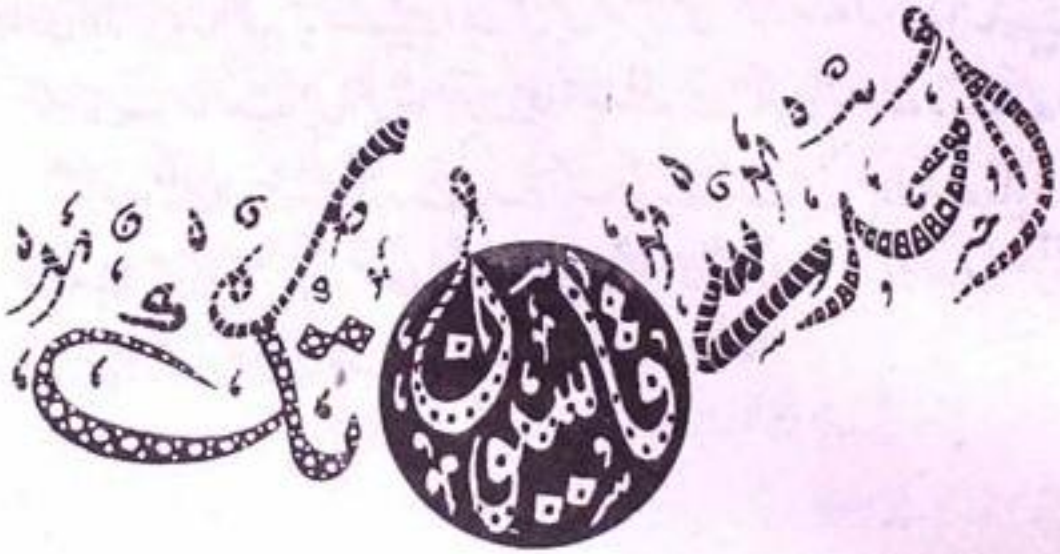
بازار حمیدیہ میں:

جامع دمشق اور سلطان زنگیؒ اور سلطان ایوبیؒ کے ملحقہ مزارات سے فارغ ہونے کے بعد ہم ذرا آگے چلے تو سُوق الحمیدیہ سامنے تھا۔ یہ دمشق کا قدیم ترین بازار ہے جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ عہدِ صحابہؓ سے اسی طرح چلا آتا ہے۔ بلکہ بعض لوگ تو اسے عہدِ اسلام سے بھی پہلے بازنطینی دَور کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ دُنیا کے اُن چند بازاروں میں سے ہے جو صدیوں سے اپنی قدیم جگہ پر قائم ہیں، اور ان کے محلِ وقوع میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ اس پر قدامت کے آثار اَب بھی محسوس ہوتے ہیں، دُکانوں نے جدید تمدن کی تھوڑی بہت ادائیں ضرور سیکھ لی ہیں، لیکن انداز وہی پُرانا ہے۔ ایک مستطیل اور مسقف بازار جس کے دونوں طرف انواع واقسام کی دُکانوں کا طویل سلسلہ ہے، سڑک قدیم زمانے کے لحاظ سے خاصی کشادہ ہے، لیکن جتنی دونوں طرف دُکانیں ہیں، اتنے ہی دُکانوں کے سامنے ٹھیلے لگے ہوئے ہیں، نتیجہ یہ کہ سڑک پر کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ شام کی ٹھیٹھ اور ٹکسالی چیزیں خریدنی ہوں تو وہ اسی بازار اور اس کی ملحقہ گلیوں میں دستیاب ہوں گی جہاں سے گذرتے ہوئے عہدِ گذشتہ کی بُوباس قدم قدم پر مشامِ جان کو متأثر کرتی ہے، اور جس کے در و دیوار پر تاریخی واقعات کے اَن دیکھے سائے منڈلاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

سردی کا موسم تھا، اور شام اور ترکی کے بنے ہوئے سویٹر یہاں بہت اچھے اور بڑے سستے

مل رہے تھے، شامی روپیہ لیرا کہلاتا ہے، اور قیمت کے لحاظ سے ہمارے پاکستانی روپے کے تقریباً برابر ہے، تمام ساتھیوں نے یہاں سے سویٹرز خریدے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ شام کے مزاج میں نفاست اور لطافت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ ان کی ہر چیز میں خوش مذاقی واضح نظر آتی ہے، سادگی کیساتھ حُسن ان کی فطرت میں داخل ہے۔ چنانچہ شام کی مصنوعات میں بھی یہ خوش مذاقی پورے طور پر نمایاں ہے۔

ہماری گاڑی سوق الحمیدیہ کے پیچھے ایک گلی میں کھڑی تھی، بازار سے گذر کر وہاں پہنچے، وہاں سے ہمارے رہنما عنایت صاحب، ہمیں جبلِ قاسیون لیجانا چاہتے تھے، تاکہ وہاں سے رات کے وقت دمشق کا نظارہ کرا سکیں۔ لیکن راستے سے گذرتے ہوئے ایک جگہ کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ یہ جگہ "باب الجابی" کہلاتی ہے، میں یہ نام سُن کر ٹھٹھک گیا، اور وہاں گاڑی رُکوائی۔ دراصل یہ قدیم دمشق کا مشہور مغربی دروازہ تھا جس کا نام تاریخوں میں "باب الجابیہ" مذکور ہے۔

بَابُ الجَابِیَہ:

دراصل "جابیہ" دمشق کی ایک مضافاتی بستی کا نام ہے جو دمشق کے مغرب میں جولان کی سطح مرتفع کے قریب واقع ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے تو انہوں نے دمشق میں داخل ہونے کے بجائے "جابیہ" میں قیام فرمایا تھا، اور وہاں ایک بڑا معرکۃ الآراء خطبہ بھی دیا تھا جو "خطبۃ الجابیہ" کے نام سے مشہور ہے، اس خطبے کے بہت سے اقتباسات احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں آتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اگر کوئی شخص دمشق سے "جابیہ" جانا چاہتا تو اسے شہر کے اس مغربی دروازے سے نکلنا پڑتا تھا، اس لئے اس مغربی دروازے کا نام "باب الجابیہ" رکھ دیا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنی چوکی باب الجابیہ کے سامنے قائم فرمائی تھی، حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ اس کے مقابل دمشق کے "الباب الشرقی" کے سامنے فروکش تھے۔ محاصرہ کئی مہینے جاری رہا، مصالحت کی گفتگو بھی کئی بار چلی اور ناکام ہوئی۔ بالآخر حضرت خالد بن ولیدؓ نے مشرقی جانب سے یلغار کی اور شہر میں داخل ہو گئے، حضرت ابو عبیدہؓ کو حضرت خالدؓ کے حملے کا پتہ نہ چل سکا، اور بابُ الجابیہ کے لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے مصالحت کر کے یہ دروازہ حضرت ابو عبیدہؓ کے لئے کھول دیا، اور حضرت ابو عبیدہؓ اسی دروازے سے صلح کی بنیاد پر شہر میں داخل ہوئے، اُدھر سے حضرت خالدؓ بزورِ شمشیر آگے بڑھ رہے تھے، اور اِدھر سے حضرت ابو عبیدہؓ پُرامن طور پر تشریف لا رہے تھے، شہر کے بیچوں بیچ دونوں کی ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ میں نے شہر کا نصف حصہ تلوار کے زور سے فتح کیا ہے، لہٰذا اس شہر کے لوگوں کے ساتھ مفتوحہ شہروں کا سلوک ہونا چاہیئے۔ لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ میں صلح کی بنیاد پر اہلِ شہر کو امان دے چکا ہوں، اور جب آدھا شہر صلحاً فتح ہوا ہے تو ہمیں پورے شہر کے ساتھ مصالحت کا سلوک کرنا چاہیئے۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ نے باتفاق یہی فیصلہ فرمایا کہ ہمارا مقصد خونریزی نہیں، اللہ کا کلمہ بلند

کرنا ہے، اس لئے ہم اس شہر کو صلح سے حاصل شدہ شہر تصور کرینگے[1]

آج اس جگہ دروازہ نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ بلکہ یہ وسطِ شہر کی ایک مصروف سڑک ہے جس کے دونوں طرف گنجان آبادی ہے۔ لیکن وہ جگہ وہ ابھی محفوظ ہے جہاں کبھی باب الجابیہ نامی دروازہ ہوا کرتا تھا، یہ امینِ امّت حضرت ابوعبیدہ ابن جرّاح رضی اللہ عنہ کی وہ گذرگاہ تھی جہاں سے وہ دمشق میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، اُن کے ہاتھوں اس تاریخی شہر سے قیصرِ روم کے جاہ وجلال کا پرچم ایک مرتبہ اُترا تو دوبارہ نہ لہرا سکا۔ اُن کے اور ان کے مبارک رفقا کے ہاتھوں میں ایمان ویقین کی جو قندیلیں تھیں انہوں نے اس علاقے کو رُشد وہدایت سے منور کردیا، اور ان نفوسِ قدسیہ کے پھیلائے ہوئے نور کے اثرات اہلِ شام میں آج چودہ سو برس گذرنے کے بعد بھی محسوس ہوتے ہیں۔ کفر والحاد نے اس نور کو مٹانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا، یہاں تک کہ اب تو زمامِ اقتدار بھی اسی نے سنبھال لی، لیکن الحمد للہ، عوام کے سینوں میں ایمان کی جو شمعیں آج بھی فروزاں ہیں انہیں بالکلیہ بجھانے پر ابھی تک قادر نہیں ہوا۔

جبلِ قاسیون پر:

چند لمحے باب الجابیہ پر ماضی کے تصورات میں محو رہنے کے بعد ہم قاسیون کی طرف روانہ ہوگئے، یہ پہاڑ شہرِ دمشق پر ٹھیک اس طرح سایہ کئے ہوئے ہے جیسے اسلام آباد پر مرگلہ۔ اب دمشق کی آبادی بڑھتے بڑھتے اس پہاڑ کے مختلف حصوں تک پھیل گئی ہے، چنانچہ مختلف آبادیوں سے گذرتے ہوئے ہم اس سڑک پر پہنچے جو بَل کھاتی ہوئی قاسیون کی چوٹی تک جاتی ہے۔ سڑک سطحِ زمین سے بتدریج بلند ہوتی گئی، اور تھوڑی دیر میں ہم پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔

تاریخی اور اسرائیلی روایات کی رُو سے قاسیون انبیاء علیہم السلام کا مرکز رہا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو یہیں پر قتل کیا تھا، پہاڑ پر ایک غار بنا ہوا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس میں خون کا نشان بھی ہے، عوام میں مشہور ہے کہ یہ حضرت ہابیل کے خون کا نشان ہے۔

اسی پہاڑ پر ایک مسجد "مسجد ابراہیم" کہلاتی ہے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے، اسی مسجد کے باہر پہاڑ میں ایک دراڑ ہے، اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے پہلے ستارے، پھر چاند اور پھر سُورج کو (فرضی طور پر) خدا قرار دیکر پھر ان سب خیالات سے برات کا اظہار فرمایا، اور عقیدۂ توحید کی اس لطیف پیرائے میں تبلیغ فرمائی، وہ واقعہ اسی جگہ پیش آیا تھا۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر ص ۱۴۸ ج ۱،

ایک اور روایت کے مطابق حضرت الیاس علیہ السلام اپنے بادشاہِ وقت کے مظالم سے تنگ آکر اسی پہاڑ پر رُوپوش رہے تھے۔ [1]

یہ تمام روایات اسنادی حیثیت سے کمزور ہیں، اور ان میں سے بعض تاریخی اعتبار سے بے بنیاد اور غلط بھی ہیں، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ یہ پورا علاقہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مرکز رہا ہے، اور جبلِ قاسیون اس علاقے کا نمایاں ترین پہاڑ ہے، اس لئے اگر مختلف انبیاء علیہم السلام نے اسے اپنا مستقر بنایا ہو تو کچھ بعید نہیں۔

ہماری گاڑی جس جگہ جاکر رُکی، وہ اس پہاڑ کا ایک تفریحی مقام ہے۔ گاڑی سے اُترے تو ایک ایسا دلفریب منظر سامنے تھا جسے بیان کرنے کیلئے الفاظ کو تنگ دامنی کا احساس ہوتا ہے۔ سامنے تینوں اطراف میں حدِ نظر تک شہر دمشق کی روشنیاں پھیلی پڑی تھیں، رنگ برنگے قمقموں کا ایک جہان آباد تھا، اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے زمین نے تاروں بھرے آسمان کی صورت اختیار کرلی ہے ؏

زمیں پہ جیسے کوئی کہکشاں اُتر آئی

یہاں کچھ ریسٹورنٹ بنے ہوئے ہیں، کچھ بچوں کے کھیلنے کے مراکز ہیں۔ غالباً سخت سردی کی وجہ سے یہاں کوئی خاص چہل پہل نہیں تھی، ہم کچھ دیر یہاں کے حسین منظر سے لطف اندوز ہونے کے بعد واپس روانہ ہوگئے۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ:

جبلِ قاسیون سے اتر کر ہم دمشق کے نئے علاقے میں پہنچے جو "دمشق الجدیدۃ" کہلاتا ہے، اور اپنی کشادہ سڑکوں، وسیع عمارتوں اور خوبصورت بنگلوں کے اعتبار سے جدید تمدن کا بہترین نمونہ ہے۔ عنایت صاحب یہاں سے ہمیں پھر دمشق کے قدیم علاقے کے اُس محلے میں لے گئے جو شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے منسوب ہے۔ یہیں پر اُن کا مزار واقع ہے، اُس وقت مزار کا دروازہ چونکہ بند ہوچکا تھا، اس لئے اندر تو حاضری نہ ہوسکی، لیکن باہر ہی سے فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ صوفیاء کرام میں جس مقامِ بلند کے حامل ہیں، وہ کسی پڑھے لکھے شخص سے مخفی نہیں۔ آپ ۵۶۰ھ میں اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے تھے، پھر وہاں سے اشبیلیہ منتقل ہوئے۔ وہاں آپ کسی بادشاہ کے یہاں منشی کا کام کرتے تھے، لیکن پھر زھد کا غلبہ ہوا، اور تمام دُنیوی مشاغل چھوڑ کر یادِ خدا میں مصروف ہوگئے۔ بادشاہ نے ان کو ایک گھر تحفے میں دیا تھا جس کی قیمت اُس وقت ایک لاکھ درہم تھی، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی سائل آگیا، اُسے دینے کیلئے ان کے پاس

---

[1] مختصر تاریخ دمشق لابن منظور ص ۲۷۷ تا ۲۸۰ ج ۱،

[2] عام طور سے اہلِ علم قاضی ابوبکر ابن العربی کو "ابن العربی" (الف لام کیساتھ) اور انکو "ابن عربی" الف لام کے بغیر لکھتے ہیں لیکن شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے "طبقات" میں لکھا ہے کہ انکی صحیح کنیت "ابن العربی" ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

کچھ نہیں تھا، چنانچہ وہ گھر اُسے صدقہ کردیا۔ ؎۱

اشبیلیہ سے شیخؒ نے رختِ سفر باندھا تو حج کیلئے حرمین شریفین حاضر ہوئے، مصر، عراق اور شام کا سفر کیا، مصر میں کافی عرصہ مقیم رہے، اور بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں۔ چونکہ ان کی تصانیف میں بہت سی شطحیات بھی موجود ہیں، اس لئے مصر کے لوگ ان کے دشمن ہوگئے، اسی سلسلے میں قید بھی ہوئے، اور لوگ قتل تک کے درپے ہوگئے، بالآخر علی بن فتح البجائی نے انکی خلاصی کرائی، اور انہوں نے آخر میں دمشق کو اپنا مستقر بنالیا، اور وہیں پر ۶۳۸ھ میں وفات پائی۔ ؎۲

حضرت شیخ ابن عربیؒ کی شخصیت اہلِ علم میں متنازعہ رہی ہے، ان کی کتابوں میں جو شطحیات پائی جاتی ہیں، ان کی بنا پر بہت سے محدثین اور فقہاء ان سے نالاں اور برگشتہ رہے، لیکن دوسرے حضرات نے انہیں معذور قرار دیکر ان کی برات میں کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی ان کی برات پر ایک مستقل رسالہ "تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی" کے نام سے لکھا ہے، اس میں علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:-

"والقول الفيصل في ابن العربي اعتقاد ولايته وتحريم النظر في كتبه، فقد نقل عنه هو أنه قال: نحن قوم يحرم النظر في كتبنا..... وذلك لأن الصوفية تواضعوا على ألفاظ اصطلحوا عليها وأرادوا بها معان غير المعاني المتعارفة منها، فمن حمل ألفاظهم على معانيها المتعارفة بين أهل العلم الظاهر كفر، نص على ذلك الغزالي في بعض كتبه"۔ ؎۳

علامہ ابن عربیؒ کے بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ ان کے بارے میں ولی ہونے کا اعتقاد رکھا جائے لیکن ان کی کتابیں دیکھنے کو ناجائز قرار دیا جائے، کیونکہ خود انہی سے منقول ہے کہ انہوں نے "فرمایا ہے کہ ہم ایسے لوگ ہیں کہ ہماری کتابیں دیکھنا (مذاق ناشناس لوگوں کیلئے) ناجائز ہے..... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام نے بعض ایسی اصطلاحات مقرر کر رکھی ہیں جن سے وہ انکے معروف معانی کے سوا کچھ اور معنی مراد لیتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان کے الفاظ کو معروف معنی پہنائیگا تو وہ کافر ہوجائے گا۔ یہ بات امام غزالیؒ نے بھی ان بعض کتابوں میں لکھی ہے"۔

یہ شیخ ابن عربیؒ کے بارے میں بڑا معتدل فیصلہ ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے علامہ ابن عربیؒ کی برات میں ایک رسالہ لکھا ہے جو "تنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی" کے نام

؎۱ فوات الوفیات للکتبی ص ۴۳۶ ج ۳ ، ؎۲ الأعلام للزرکلی ص ۱۷۰ ج ۷ ،
؎۳ شذرات الذھب لابن العماد ص ۱۹۱ ج ۵ ،

سے شائع ہوا ہے، اس میں بھی حضرتؒ نے تقریباً یہی موقف اختیار فرمایا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ صوفیاء کرام پر جو حالات و کیفیات طاری ہوتی ہیں، انہیں کوئی دوسرا شخص جو ان احوال سے نہ گذرا ہو، سمجھ نہیں سکتا، لہٰذا ہم جیسوں پر تو یہی بات صادق آتی ہے کہ ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را
چہ شناسی زبانِ مرغاں را

لہٰذا نہ ان حضرات کے بارے میں کسی بدگمانی کی کوئی گنجائش ہے، کیونکہ ان کی مجموعی زندگی اتباعِ سنت میں ڈھلی ہوئی تھی، اور نہ ان کی ایسی کتابوں کے مطالعے کی کوئی ضرورت ہے، انسان کی اپنی اصلاح کیلئے شریعت و سنت پر مشتمل کتابیں کافی ہیں۔ انہی کا حق ادا کرلے تو بہت ہے، اس خار دار کوچے میں داخل ہی کیوں ہو؟

کتب خانے:

شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مزار سے ہم واپس ہوٹل آگئے، اور دن بھر کی تھکن کے بعد جلد ہی نیند آگئی۔

اگلا دن میں نے کتب خانوں کی سیاحت کیلئے مخصوص رکھا تھا، دوسرے رفقاء اپنی دوسری ضروریات کیلئے چلے گئے، اور میں دمشق کے مختلف تجارتی کتب خانوں میں گھومتا رہا۔ یہاں کے کتب خانے واقعۃً کتابوں سے مالا مال ہیں۔ بیروت کے قرب کی وجہ سے یہاں کتابوں کا بہترین ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ بیروت عربی کتابوں کی طباعت کا مرکز ہے، اور سالہا سال سے خانہ جنگی کی تباہ کاریوں کا شکار ہونے کے باوجود وہاں اشاعتِ کتب کا کام روز افزوں ہے۔ گولے بھی دن رات پھٹتے رہتے ہیں، اور نئی سے نئی کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔ بیروت یہاں سے بہت قریب ہے، اس لئے کتابیں بڑی تعداد میں آتی رہتی ہیں، بلکہ بیروت کے بہت سے ناشروں نے اپنا ایک ایک شوروم دمشق میں بھی قائم کر رکھا ہے، جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں شامی لیرا قیمت میں پاکستانی روپے کے قریب قریب ہے، اس لئے یہاں ہم پاکستانیوں کو یہ کتابیں کافی سستی پڑتی ہیں۔ مصر، عراق اور اردن وغیرہ میں نہ کتابوں کا اتنا ذخیرہ ہے، اور نہ وہ ہمارے لئے اتنی ارزاں پڑتی ہیں، لہٰذا تجربہ یہی ہوا کہ خریدِ کتب کیلئے عرب ممالک میں یہ جگہ سب سے بہترین ہے۔

چنانچہ دن بھر الماریوں کی خاک چھاننے کے بعد شام تک اپنے مطلب کی کتابوں کا خاصا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا جو کئی بڑے بڑے کارٹونوں میں سمایا، اور اس طرح بفضلہ تعالیٰ سفر کی محنت وصول ہوگئی۔

عشاء سے کچھ پہلے ہوٹل واپسی ہوئی تو وہاں ہمارے دوست شیخ عبداللطیف الفرفور کو منتظر پایا، یہ شام کے ایک مشہور عالم شیخ صالح الفرفور کے صاحبزادے ہیں، خود بھی عالم ہیں، علمی ذوق بھی رکھتے ہیں، اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں بھی خاصے فعال ہیں، جدہ کی مجمع الفقہ الاسلامی میں شام کی نمائندگی کرتے ہیں، اور سعودی عرب اور الجزائر وغیرہ میں ان کے ساتھ کافی رفاقت رہی ہے۔ کلیۃ الشریعہ کے بعض حضرات نے انہیں احقر کی آمد کی خبر دی تو وہ ہوٹل پہنچ گئے، اور کافی دیر سے وہاں منتظر تھے۔ دیکھ کر بہت خوش ہوئے،

اور بدھ کے روز اپنے یہاں کھانے پر مدعو بھی کیا۔

وہ رخصت ہوئے تو پاکستان کے کونسل جنرل جناب توحید صاحب تشریف لے آئے، اور دمشق کی بعض اہم شخصیات سے ملاقات کیلئے اپنے ساتھ لیگئے۔ احقر نے رفقاء سے کہدیا تھا کہ واپسی شاید دیر میں ہو، اس لئے وہ کھانے پر انتظار نہ کریں۔ توحید صاحب کے ساتھ واقعۃً خاصی دیر ہوگئی۔ لیکن جب ہم فارغ ہوئے تو توحید صاحب نے کہا کہ یہاں قریب میں ایک بڑا اچھا ریسٹورنٹ "مطعم ابوکمال" کے نام سے ہے، یہاں کے کھانے مشہور ہیں، کھانا یہاں کھالیا جائے، چنانچہ ہم ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے، وہاں دیکھا تو ہمارے رفقاء قاری بشیر احمد صاحب، مولوی امین اشرف سلمہٗ اور مولوی عطاء الرحمٰن سلمہٗ پہلے سے وہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ حسنِ اتفاق سے یہ اچانک ملاقات خوب رہی ـــ شامی کھانے اپنی لذت ولطافت کے لحاظ سے سارے عرب ممالک میں مشہور ہیں، واقعۃً بڑے لذیذ بھی تھے، اور ریسٹورنٹ بھی بڑے پُرمنظر مقام پر واقع تھا، یہاں سے رات گئے واپسی ہوئی۔

داریا میں:

اگلی صبح ہم دمشق کی ایک مضافاتی بستی داریا گئے۔ یہ بھی شام کا ایک تاریخی قصبہ ہے جو دمشق کے مغرب میں واقع ہے، یہ قصبہ بھی انبیاء کرامؑ، صحابہؓ اور علماء و اولیاء کا مرکز رہا ہے، اور یہاں سے بڑی جلیل القدر ہستیاں پیدا ہوئی ہیں۔ زمانۂ قدیم میں جو لوگ دمشق کی سیاحت کیلئے آتے، وہ داریا کی تاریخی اہمیت کی وجہ سے یہاں بھی جایا کرتے تھے۔ [1]

انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت حزقیل علیہ السلام کا مزار یہیں بتایا جاتا ہے، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا ایک قابلِ ذکر حصہ اسی بستی میں گذارا، اور علامہ حمویؒ نے ان علماء و اولیاء کی ایک طویل فہرست ذکر کی ہے جو داریا میں پیدا یا مدفون ہوئے۔ [2]

یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، سادہ، مگر خوبصورت اور سرسبز، ہمارے رہنما نے گاڑی کو مختلف سڑکوں اور گلیوں سے گذار کر ایک کشادہ گلی میں ایک خوبصورت مسجد کے سامنے رُکوایا، یہ مشہور ولی اللہ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار تھا۔

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ:

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ (جن کا نام عبدالرحمٰن بن احمد بن عطیۃ العبسی ہے) تبع تابعین میں سے ہیں، محدث بھی ہیں، اور اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے بھی ہیں، ولادت شام میں ہوئی تھی، پھر کچھ عرصے کیلئے عراق تشریف لیگئے، بعد میں پھر شام میں قیام فرمایا، اور یہیں وفات ہوئی۔ آپ کے

---

[1] ملاحظہ ہو الانساب للسمعانی ص ۱۷۱ ج ۵، [2] معجم البلدان ص ۴۳۱ و ۴۳۲ ج ۲،

اکثر اوقات ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے، دعوت و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، امام ابونعیم اصفہانیؒ نے آپ کا تذکرہ چھبیس صفحات میں کیا ہے، اور اس میں آپ کے بہت سے ملفوظات ذکر فرمائے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) فرمایا کہ: "دنیا اپنے سے بھاگنے والے کا پیچھا کرتی ہے، اگر وہ بھاگنے والے کو پکڑ لے تو زخمی کر کے چھوڑتی ہے، اور اگر طالبِ دنیا اُسے پکڑ لے تو اسے قتل ہی کر ڈالتی ہے۔"

(۲) فرمایا کہ: "وسوسوں اور خوابوں کی کثرت کمزور آدمی کو ہوتی ہے، اگر مکمل اخلاص پیدا ہو جائے تو خواب اور وسوسے دونوں بند ہو جائیں۔" پھر اپنے بارے میں فرمایا کہ "بعض اوقات مجھے کئی کئی سال گذر جاتے ہیں، اور کوئی خواب نہیں آتا۔"

(۳) فرمایا کہ: "اگر تم سے کبھی کوئی نفلی عبادت فوت ہو جائے تو اس کو بھی قضا کر لیا کرو، اس سے اُمید ہے کہ وہ آئندہ تم سے نہیں چھوٹے گی۔"

(۴) فرمایا کہ "بعض اوقات مجھے قرآن کریم کی صرف ایک آیت پر غور کرتے ہوئے پانچ پانچ راتیں گذر جاتی ہیں، اگر میں خود سے اس پر سوچنا نہ چھوڑوں تو اس سے آگے نہ بڑھ سکوں۔"

(۵) ایک شاگرد نے ایک مرتبہ آپ سے کہا کہ "مجھے بنی اسرائیل پر رشک آتا ہے کہ ان کی عمریں بہت لمبی ہوتی تھیں، اور وہ اتنی عبادت کرتے تھے کہ ان کی کھالیں سکڑ کر پرانے مشکیزے کی طرح ہو جاتی تھیں۔" حضرت دارانیؒ نے فرمایا: "خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ ہم سے یہ نہیں چاہتے کہ ہماری کھالیں ہڈیوں پر خشک ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سے صدقِ نیت کے سوا کچھ نہیں چاہتے، اگر ہم میں سے کوئی شخص دس ہی دن میں یہ صدق پیدا کر لے تو اسے وہ درجہ مل سکتا ہے جو بنی اسرائیل کے کسی شخص نے پوری عمر میں حاصل کیا ہو۔"

(۶) فرمایا کہ "عبادت یہ نہیں ہے کہ تم تو قدم جوڑے (نماز میں) کھڑے رہو، اور کوئی دوسرا شخص تمہارے لئے روٹیاں بناتا ہے، بلکہ پہلے اپنی دو روٹی کا انتظام کرلو، پھر عبادت کرو۔"[۱]

مسجد میں داخل ہونے کے بعد مسجد کے ایک جانب حضرت دارانیؒ کا مزار تھا، وہاں حاضری ہوئی، انہی کے پہلو میں آپ کی اہلیہ اور آپ کے مشہور شاگرد احمد بن ابی الحواریؒ مدفون ہیں۔ احمد بن ابی الحواریؒ آپ کے وہ خاص شاگرد ہیں جنہوں نے آپ کے بیشتر ملفوظات روایت کئے ہیں، محدثین میں بھی ان کا مقام بلند ہے، اور امام ابوداؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ ان کے شاگرد ہیں۔[۲]

حضرت ابوثعلبۃ الخشنیؓ:

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ کے مقبرے سے کچھ ہی فاصلے پر ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جہاں

---

[۱] حلیۃ الاولیاء، لابی نعیمؒ ص ۲۵۴ تا ۲۶۴ ج ۹۔ [۲] تہذیب التہذیب ص ۴۹ ج ۱۔

دس بارہ قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان قبروں میں سے ایک قبر مشہور صحابی حضرت ابو ثعلبہ خُشَنی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ یہ قبیلہ بنو خشین سے تعلق رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ خیبر کیلئے تشریف لے جانے کی تیاری کر رہے تھے، اُس وقت یہ آپ کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئے، اور غزوہ خیبر میں شامل ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان میں بھی شامل تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی باہمی لڑائی میں یکسُو رہے اور کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ داریا میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ آخر عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ موت کے وقت گلا گھٹنے کی جو تکلیف ہوا کرتی ہے، وہ مجھے نہیں ہوگی۔ چنانچہ آپؓ ایک دن آخر شب میں نمازِ تہجد میں مشغول تھے کہ سجدے کی حالت میں ہی آپؓ کی رُوح پرواز کر گئی، ان کی صاحبزادی اس وقت سو رہی تھیں، خواب میں دیکھا کہ انکے والد کا انتقال ہو گیا ہے، وہ گھبرا کر بیدار ہوئیں، اور آواز دی کہ "میرے والد کہاں ہیں؟" کسی نے کہا کہ نماز پڑھ رہے ہیں۔" انہوں نے آپ کو آواز دی، جواب نہ ملا تو ان کے کمرے میں پہنچیں، دیکھا کہ وہ سجدے میں ہیں، انہوں نے ہلا جُلا کر دیکھا تو آپ گر پڑے۔ تب پتہ چلا کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے۔[1]

(جاری)

---

[1] الاصابہ ص ۳۰ ج ۴۔

از ـــ فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن السدیس امام حرم مکی
ترجمہ ـــ علاؤالدین ندوی

بارے میں امام حرم کا خطبہ

حمد و صلوٰۃ کے بعد!

مسلمان بھائیو! اللہ سے آپ ڈریں اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں، کہ اس نے تمہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو تم پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، تمہیں پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے، آپ خدا کی اس نعمت کو عملی جامہ پہنائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کریں، اس کے بتائے ہوئے طریقے پہ چلیں، اور اس کی لائی ہوئی شریعت پر گامزن رہیں اور خواہشات و نفسانیت کے مارے ہوئے لوگوں نے جو بدعات و منکرات ایجاد کر رکھی ہیں ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔

برادران اسلام: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و تابعداری، اور آپ کی سنت کو مضبوطی سے تھام لینے کے بارے میں احکامات و اوامر کثرت سے قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں یہ سب کے سب صریح و واضح نصوص ہیں، جو آپ کی اطاعت و فرمانبرداری اور بلا چوں و چرا سرافگندگی و سپردگی پہ دال ہیں، نیز کسی طرح بھی ان سے سرمو انحراف کی گنجائش نہیں، ارشاد خداوندی ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون ۝

اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو، حالانکہ تم سن رہے ہو۔

نیز ارشاد ہے۔

اطیعوا اللہ ورسولہ لعلکم ترحمون۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم وکرم ہو

نیز ارشاد ہے۔

وما اتاکم الرسول فخذوہ ومانھٰکم عنہ فانتھوا۔

جو کچھ رسول نے تمہیں دیا ہے اسے تم لے لو اور جن چیزوں سے رسول نے تم کو منع فرمایا ان سے باز آجاؤ۔

نیز ارشاد ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ، ویغفرلکم۔

آپ کہدیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ رسول اللہ سے بدظنی اور آپ کی شان عقیدت میں گستاخی کی ناعاقبت اندیشی سے ڈراتا ہے۔ خواہ رسول کی زندگی میں سرزد ہو خواہ آپ کی وفات کے بعد دائرہ سنت میں، بایں طور کہ آپ کی سنت کو پس پشت ڈالکر کسی اور طرز و طریقہ و اولیت و فوقیت دی جائے یا اس کی مخالفت کیجائے یا آپ کے ارشادات کے مقابلہ میں عناد و تعصب برتا جائے۔ دین میں بدعات کا دروازہ کھولا جائے اور اس کے فروغ کے لئے کاوشیں کیجائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ فاتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم۔ یاایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔

اے ایمان والو ، اللہ و رسول کی اجازت سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے سب اقوال کو سننے والا ہے اور تمہارے سب افعال کو جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو، تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو۔ کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ان کے برے انجام سے آگاہ کردیا ہے فرمایا۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم ۔

کہ جو لوگ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ باخبر ہو جائیں کہ کہیں وہ فتنہ کے شکار یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں ۔

اسی طرح رسول کی اطاعت واتباع کی خلاف ورزی خواہ زندگی میں ایک ہی بار کیوں نہ ہو کھلی ہوئی گمراہی اور دین میں انحراف کے مرادف قرار دیا ہے جو بلاشبہ نعمت ایمان کے فقدان وزوال کا موجب ہے ۔ فرمایا ۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا أن یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا ۔

اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں ہے جبکہ اللہ اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ پھر ان کو ان کے کسی کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا ۔

نیز فرمایا ۔

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی أنفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ۔

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرائیں پھر اس میں آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورا پورا تسلیم کر لیں ۔

نیز فرمایا ۔

فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ۔

اگر تمہیں کسی بات پہ جھگڑا ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پہ ایمان رکھتے ہو ۔

احادیث مطہرہ کا بیش بہا ذخیرہ بھی ان دلائل واحکامات سے بھرے پڑے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا ٹکڑا جسے امام بخاری نے روایت کی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا فمن رغب عن سنتی فلیس منی جس نے میری سنت سے اعراض و پہلو تہی برتی وہ مجھ سے نہیں ، نیز حضرت عرباض بن ساریہ سے مروی ہے ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا ۔

أنہ من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ

تم میں جو شخص زندہ رہا تو وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا تو تم میری

خلفاء الراشدين المهديين	سنت اور خلفائے راشدین کی سنت
عضوا علیها بالنواخذ و	کو مضبوطی سے تھام لو اور اپنے دانتوں
ایاکم و محدثات الامور فان	سے تھام لو اور نئی نئی باتوں سے دور
کل بدعة ضلالة ۔	رہو کیونکہ ہر بدعت (نئی بات) گمراہی ہے ۔

برادران اسلام! کتاب و سنت کے ان مذکورہ بالا دلیل کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کو سنت نبوی سے وابستہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور دین میں نئی نئی باتوں جن کا اس دین سے کوئی تعلق نہیں کہ اختیار و ایجاد کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اپنے خطبوں میں سنت پہ گامزن رہنے اور بدعات سے پرہیز کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے ۔ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا ۔

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب	اما بعد! سب میں بہتر بات خدا کی کتاب
الله وخیر الهدی	ہے اور سب میں بہترین طریقہ رسول اللہ
هدی محمد صلی الله علیه	کا طریقہ ہے اور سب میں بدترین امور نئی
وسلم وشر الامور محدثاتها	نئی چیزوں کا اختراع ہے اور ہر نئی
وکل بدعة ضلالة ۔	بات گمراہی کا پیش خیمہ ہے ۔

نیز حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد ۔ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کی جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو وہ مردود نا قابل قبول ہے ــــــــــــ اس سلسلہ میں سلف صالحین کے گفتار و کردار کے ایسے نقوش پا موجود ہیں جو قرون اولیٰ کے بہترین طرز عمل کی وضاحت کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے ہر زمان و مکان میں بہترین کردار و اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں، چاہیئے کہ انہی سے اپنی روشن زندگی اور اپنے کردار و خیالات کی راہ متعین کریں ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ۔ اتباع و تابعداری کرتے رہو اور نئی نئی باتیں مت گڑھو، یہی تمہارے لئے کافی ہے " نیز آپ نے ارشاد فرمایا " سنت رسول پہ اکتفا و قناعت کر لینا ۔ کہیں بہتر ہے ۔ اس سے کہ بدعات کی ترویج کے لئے آدمی کوشاں رہے ۔

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں ۔ لوگوں پہ کوئی سال ایسا گزرے گا جس میں وہ کوئی بدعات ایجاد نہ کریں گے اور کسی سنت کو مردہ نہ کر چکے ہوں گے ۔ یہاں تک کہ بدعتیں زندہ و پائندہ ہوتی رہیں گی ۔ اور سنتیں مردہ ہوتی چلی جائیں گی ۔

حضرت حذیفہ رض فرماتے ہیں ۔ ہر نئی بات گمراہی ہے ۔ خواہ لوگ اسے حسنات میں شمار کیوں نہ کریں ۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رح فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے سنت پہ ثابت قدم رہ کر بتلا دیا کہ اس کی پابندی درحقیقت قرآن کی تصدیق، اللہ کی اطاعت اور دین

متین کو تقویت پہونچانا ہے ۔ جو اس پر عمل پیرا ہوا وہ راہ یاب ہے ۔ جس نے اس سے مدد چاہی وہ فائز المرام ہے اور جو اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا اس نے مؤمنین صالحین و کاملین سے بغاوت کی راہ اختیار کی، خدا ایسے لوگوں کو منہ کی کھلائے گا اور انہیں جہنم رسید کرے گا ۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں : " اس امت کے متاخرین کی اصلاح و کامیابی صرف اس طریقہ پر ہو گی جس پر چل کر قرون اولیٰ کے مسلمان کامیاب و راہ یاب ہوئے :

بعض بزرگوں کا یہ قول منقول ہے کہ مخلوق خدا کے لئے تمام راستے بند ہیں صرف ایک ہی راستہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی کی جائے ۔"

میرے دینی بھائیو ! جب دین و مذہب کی غربت و اجنبیت پروان چڑھ چکی، جب اس کے اعوان و انصار کی قلت ہو گی ۔ جب دشمنانِ دین کی تعداد افزوں تر ہو گئی ۔ جب اہل ایمان و یقین تہی دامن و تہی دست ہو گئے اور دین سے بیزار ہو کر گریز کی راہ اپنالی ، جب داعیانِ سوء اور ارباب بدعات و خرافات کی کثرت ہو گئی ۔ تو حالات میں ایک تغیر رونما ہو گیا معروف نے منکر کا روپ دھار لیا ، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت کا نام دے دیا گیا ۔ پھر تو بدعات لوگوں میں رواج پذیر ہو گئے ۔ ان کے دل و دماغ اور ان کے قلوب و اذہان میں سرایت کر گئے جیسے جسم میں خون کی آمیزش ہو جاتی ہے ۔

برادران اسلام ! آج دین میں جن نئی نئی باتوں کا رواج بڑھتا جا رہا ہے اور جن کی طنابیں دنیا کے پیچھے پیچھے پہ کھینچتی چلی جا رہی ہیں ، جن سے لوگوں کے افکار و خیالات متاثر ہو رہے ہیں ، ان کے دل و دماغ میں راسخ و پیوست ہوتے جا رہے ہیں ۔ جن پر بلاشبہ معروف و حسنات کا لبادہ ڈال دیا گیا ہے یہ وہ اعمال ہیں جنہیں وہ ربیع الاول کے مہینہ میں انجام دیتے ہیں ، جلسے جلوس اور محفلیں منعقد کرتے ہیں ، جن کے جواز کے لئے خدا کی کتاب اور رسول کی سنت میں کوئی دلیل نہیں ، ان جلسے جلوس اور محفلوں کو وہ میلاد النبی سے تعبیر کرتے ہیں، بعضوں نے تو حد کر دی کہ وہ اس مہینہ خاص طور سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا بالقصد رختِ سفر باندھتے ہیں کہ وہ جناب محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا تقرب حاصل کریں ۔ یہ حضرات بڑے زعم و فریب میں مبتلا ہیں کہ ان کے پاس ان افعال و اعمال کے لئے کوئی سند و دلیل نہیں ۔ یہ وہ تخصیص ہے ۔ جس کے لئے کوئی ثبوت و شہادت نہیں پیش کر سکتے ۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ۔

لہٰذا ربیع الاول کے اس مہینہ یا اس کے بعض دنوں کو مجالس و محافل کے لئے خصوصیت سے اپنا لینا مندرجہ ذیل امور کی بنا پر شرعاً صحیح نہیں ہے ؟

اول الف : یہ دین میں ایک نئی ایجاد ہے اس لئے کہ یہ نہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے نہ ہی خلفائے راشدین ، دیگر صحابہ کرام ، تبع تابعین اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں سے کسی نے ایسا کیا ۔ حالانکہ یہ حضرات سنت رسول کے سب سے زیادہ پابند و شناسا آپؐ کی محبت میں سب سے زیادہ سرشار ، آپ کی شریعت کے سب سے زیادہ تابعدار و فرمانبردار تھے ۔ لہٰذا بعد کے ہم مسلمانوں کے لئے بھی اتنی ہی کی گنجائش ہے جس قدر گنجائش انہوں نے روا رکھی ۔ اگر یہ طرز عمل خیر کا باعث ہوتا تو وہ یقیناً ہم سے پہل کر چکے ہوتے ۔

ثانیاً: مذکورہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ کی روشنی میں یہ بات ظاہر و باہر ہوگئی کہ رسول اللہ کی اطاعت واجب۔ آپ کی سنت کی پیروی ضروری، اور ابتداع فی الدین سے پرہیز و اجتناب لازم ہے۔

ثالثاً: اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کی تکمیل فرمادی اور اللہ کے رسول نے من و عن اللہ کا پیغام واضح انداز میں لوگوں تک پہونچادیا۔ اب میلاد النبی کے نام سے دین میں اختراع گویا یہ باور کیا جائیگا کہ اللہ نے دین کی تکمیل نہیں فرمائی اور خدا کے رسول نے پیغام خداوندی کی تبلیغ میں کوتاہی برتی تاآنکہ چھٹی صدی ہجری میں متاخرین اور ان کے بعد کچھ دوسرے لوگ پیدا ہوئے اور انہوں نے شریعت الٰہی میں اپنی طرف سے کچھ نئی چیزیں شامل کرلیں۔ حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی ثبوت اور نہ ہی احکام الٰہی کو ان کے ان بدعات سے کوئی واسطہ۔ بالائے ستم یہ کہ وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ یہ محافل تقرب خداوندی کا ذریعہ ہیں، کیا یہ اللہ کی شان میں بے باکانہ اعتراض کی جرأت لاحاصل اور تبلیغ رسالت محمدی کی انتھک کوششوں کے آگے مجنونانہ گستاخی نہیں؟۔

رابعاً: اس طرح کی محفلوں اور اجتماعات کا انعقاد جادۂ حق سے بغاوت کی علامت اور یہود و نصاریٰ کے اعیاد و مراسم کی نقل ہے حالانکہ ہمیں تشبہ باہل کتاب اور ان کے طریقوں کے نقل سے روکا گیا ہے۔

خامساً: شریعت کے اصول و قواعد اور دین کے اغراض و مقاصد اور مزاج و طبیعت ان بدعات و خرافات کا قلع قمع کرتی ہے۔ پھر عبادات محض توفیقی ہیں اب کسی کے بس میں نہیں کہ وہ شریعت سازی کرنے کی جرأت کرنے لگے، شریعت حق وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے ہم کو ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ	کیا ان کے کچھ شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین میں شریعت مقرر کی ہے جس کی اجازت خدا نے نہیں دی۔

نیز شریعت کا یہ ثابت شدہ و مسلمہ قاعدہ ہے کہ باہم متنازع فیہ امور میں قرآن و سنت کی طرف رجوع کیا جائے ہم نے اس بابت جب دونوں ماخذ سے رجوع کیا تو یہی پایا کہ اس طرح کے اعمال سے تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ نیز سد ذرائع اور ازالہ ضرر کا مسلمہ قاعدہ بھی اپنی جگہ اٹل ہے اور ضرر فی الدین سے بڑھکر اور کیا ضرر ہو سکتا ہے؟ یہ معاملہ یہیں پر آکر نہیں رک جاتا بلکہ ان محفلوں میں منکرات تک کا ارتکاب ہوتا ہے اور شرک باللہ سے بڑھ کر کوئی منکر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رسول خدا سے دعائیں مانگی جاتی ہیں، ان سے حاجت روائی کی جاتی ہے۔ مشکل کشائی کی دہائی دی جاتی ہے۔ اور آپ کی شان عقیدت میں ایسے نعتیہ مدحیہ قصائد پیش کئے جاتے ہیں جو شرک و غلو کے ڈانڈے سے جا ملتے ہیں۔ ان میں اختلاط کی گرم بازاری ہوتی ہے۔ مال و دولت کا بیجا اسراف ہوتا ہے۔ ایک ہنگامہ شور و غوغا برپا ہوتا ہے اور جھوٹی راگیں الاپی جاتی ہیں۔ باوجودیکہ ربیع الاول کے جس مہینہ میں سرور کائنات ولادت باسعادت سے سرفراز ہوئے بعینہ اسی مہینہ میں آپ کی وفات بھی ہوئی۔ تو پھر حزن و ملال کو بالائے طاق رکھ کر مسرت و شادمانیوں کے نغمے الاپنا کہاں سے افضل و اولیٰ قرار پاگئے؟

لہٰذا ربیع الاول کی بعض راتوں کو ان محفلوں اور مجالس کے لئے مخصوص کرنا، کوتاہ اندیشی اور موزطین

کے مختلف فیہ اقوال کے ہوتے ہوئے ہوا پرستی کے مرادف ہے۔ اب جس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جشن میلاد النبی منانے کے لئے کسی ایک رات کی تعیین کر لی وہ ذمہ دار ہے کہ دلیل پیش کرے حالانکہ دلیل نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں۔

علمائے اسلام جو اتباع و تتبع سنت رسول میں مشہور و معروف ہیں ان کی تالیفات کا بیش بہا خزانہ اور ان کے اقوال کا گرانمایہ سرمایہ موجود ہے جو ان محفلوں کے لئے دلیل قاطع کی حیثیت رکھتا ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

"کسی بھی ایسے تہوار کو اپنانا جو شریعت کے مقرر کردہ اعیاد و مراسم کے علاوہ ہیں جیسے ربیع الاول کی بعض راتوں کو اس غرض کے لئے مخصوص کر لینا کہ یہی میلاد النبی کی رات ہے تو یہ بدعت ہے جسے سلف صالحینؒ نے پسند نہیں فرمایا نہ ہی عملاً کبھی برتا۔"

نیز فرماتے ہیں:۔

"میلاد النبی کو جشن و خوشی کے طور پر منانے کا رواج سلف صالحین میں مقتضائے حال اور عدم مانع کے باوجود نہیں رہا۔ اگر یہ خیر محض ہوتا یا راجح ہی مسئلہ ہوتا تو وہ ہم سے پہلے اس دعوت پر لبیک کہتے، کیونکہ وہ محبت رسول میں ہم سے کہیں زیادہ پیش پیش، اور آپ کی تعظیم و احترام کے ہم سے کہیں زیادہ دلدادہ اور خیر و بھلائی کے کاموں میں ہم سے کہیں زیادہ حرص و آز کے شکار تھے"

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"رہا معاملہ میلاد النبی کی محافل اس کی نشستوں اور کاروائیوں میں شرکت اور رقص و سرود، گانے بجانے کی مجلسوں میں شمولیت اور عبادات کی طرح دلچسپی سے ان کو اختیار کرنے کا تو ان کے منکرات ہونے میں کسی صاحب علم و ایمان کو قطعاً شک و شبہ نہ ہوگا۔ یہ تو وہ منکرات و بدعات ہیں جن سے دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے اب کوئی جاہل مطلق اور زندیق و فاسق ہی انہیں خیر کی نگاہ سے دیکھے گا۔"

برادران اسلام! جو لوگ اس طرح کے گمراہ کن اعمال میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ تین طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں۔

(۱) جاہل و ناداں اور تقلید پرستی کے متوالے جو زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے لہذا ہم بھی ان کے نقش پا کے راہی ہیں، ان کی مثال فرمان خداوندی کے موجب ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنا وجدنا آباءنا علیٰ امۃ وانا علیٰ آثارھم مھتدون۔

ہم نے اپنے اباء کو اسی طریقہ پر پایا لہٰذا ہم ان ہی کے نقوش کے پیروکار ہیں۔

(۲) زرخرید، بیت کے غلام۔ اور فساق و فجار جو ان جشنوں کے پس پردہ اکل و شرب، لہو و لعب

اور اختلاط و اجتماع کے ذریعہ اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین چاہتے ہیں ۔

(۳) ضلالت و گمراہی کے پرستاران و مبلغین اور کینہ پرور دشمنان دین جو اسلام کے خلاف دسیسہ کاریاں چاہتے ہیں اور لوگوں کو جادۂ سنت سے ہٹا کر بدعات و خرافات کی راہ پر لگا دینا چاہتے ہیں ۔

بدعت کے ان ہی خواہوں کے ذہنوں میں شیطان نے کچھ شبہات ، پیدا کر دیتے ہیں ، اس نے بدعات کو آراستہ و پیراستہ کر کے ان کے سامنے پیش کئے اب وہ اتراتے پھرتے ہیں کہ اس لبادہ کو عوام پر ڈال دیں ۔ حالانکہ یہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ نازک و کمزور ہیں کیونکہ یہ سراسر قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ کے خلاف ہیں ۔ ان کی کم عقلی و خام خیالی کا ایک بین ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ یہ جشن محبت و عقیدت رسول کے اظہار کا ذریعہ ہیں ـــــــ میلاد النبی کی یاد مسرتوں کی سوغات ہے جو اس سے گریزاں ہے وہ محبت رسول کا پاسدار نہیں ، حالانکہ یہ مجنونانہ بڑ اور بے بنیاد دلیل ہے ۔ اس طرح کے دعویدار ظن و تخمین کے پرستار اور نفس کے غلام ہیں اس لئے کہ رسول خدا سے ہماری محبت کا معیار آپ کی شریعت کی اتباع اور آپ کی سنت کی پابندی میں ہے نہ کہ گمراہ کن محفلوں کے سجانے اور روشنیوں کی دنیا بسا کر تماشے دکھانے میں اللہ کا ارشاد ہے ۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم۔	آپ کہئے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ۔

ان کا ایک باطل خیال یہ بھی ہے کہ یہ مجالس و محافل بدعت حسنہ ہیں ، یہ دعوی ہی سراسر باطل ہے کہ ہر بدعت کو گمراہی سے تعبیر کیا گیا ہے پھر قرآن و سنت میں ایسی کہاں کوئی دلیل ہے جس سے اسلام میں بدعت حسنہ کی تقسیم نکلتی ہو ـــــــ ان کی خام خیالی یہ بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے آتے ہیں اور بغیر کسی اعتراض و نکیر کے بجاتے آتے ہیں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم لوگوں کے اعمال و کردار کی پرستش نہیں کرتے ، ہم تو صرف قرآن و سنت سے ثابت شدہ حقیقت کو اٹل سمجھ کر مانتے ہیں ۔

مزید بوالعجبی و ستم ظریفی یہ کہ شیطان نے منکرات کو ان کے پرستاروں کے سامنے مزین کر کے پیش کی ۔ اب وہ الجھ گئے ہیں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں محفلوں میں شرکت کے لئے سر توڑ کوشش کرتے ہیں ۔ ان پر گرے بلکہ مرے پڑتے ہیں ۔ عصبیت کا لبادہ اوڑھ کر آتے ہیں ۔ ان کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں اور ان کے خلاف آواز اٹھانے والوں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں حالانکہ ان میں بیشتر ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے نہ جانے کتنے شرعی فرائض و واجبات کو پس پشت ڈال رکھا ہوا ہے بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے پامال کیا ہے اس راہ میں ان کی زبان نہیں کھلتی ۔ ان کا سر نہیں اٹھتا ۔ بلاشبہ یہ دین میں بصیرت و فراست کی کمی اور جہل مبین کا نتیجہ ہے ـــــــ بعض لوگ اس خیال و فریب کے شکار ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ان محفل بدعات و خرافات میں جلوہ افروز ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ صلوٰۃ و سلام کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں حالانکہ یہ باطل ترین و جہالت آمیز خیال ہے ۔

مسلمانان گرامی! ان روشن دلائل و کھلے حقائق اور ان واضح تردیدات کی روشنی میں بدعات کی بے حقیقت پسندیاں کھل کر سامنے آگئیں۔ ان کی قلعی کھل گئی، ان کے دعوؤں کی بنیادیں زمین بوس ہوگئیں ان کی غلطیاں فاش ہوگئیں۔ محبت رسول اور حق پرستی کا جھوٹا دعویٰ ظاہر ہوگیا۔ اب ہم مسلمانوں اور خصوصیت سے بدعات میں ملوث ان لوگوں کو بڑے درد و کسک کے ساتھ اپیل کرتے ہیں کہ وہ عذاب آخرت کا خیال کریں جب بارگاہ رب العالمین کے سامنے تہی داماں کھڑے ہوں گے۔ ہم انہیں اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ بدعات و خرافات کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں کہ یہ اللہ سے دوری پیدا کرنے والی چیزیں ہیں اور رسول خدا کی سنت سے اعراض و گریز کا انداز سکھاتے ہیں۔ ہم اُن سے کہتے ہیں کہ نبی کی سنت پر عمل پیرا ہو جائیں اور ان محافل و مظاہرے سے اجتناب کریں کہ اُن سے اسلام کے رُخ زیبا کی شکل بگڑ رہی ہے۔ اس کے جمال جہاں آرا کو نظر لگ رہی ہے، اس کے حسن و جلال و کمال، اس کی قوت و شوکت اور اس کی ہمہ گیری و اسپرٹ پہ آنچ آرہی ہے۔ اگر یہ اب بھی اس دعوت و پکار پر لبیک نہیں کہتے تو یہ سمجھ لیجئے کہ یہ خواہشات نفس کے بندے اور ہوس کے مارے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن أضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله، إن الله لا يهدي القوم الظالمين۔	اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جس نے اللہ کی کسی ہدایت کے بغیر اپنے خواہش کی غلامی کی بیشک اللہ ظالم قوموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

فرزندان اسلام! کب تک ان باطل پرستیوں اور اندھیریوں میں بھٹکتے پھروگے کب تک ان خرافات کے جال میں پھنسے رہوگے، عقیدۂ توحید پہ تمہاری غیرتوں کو کیا ہوگیا ہے رسول خدا کی سنت سے عملی وابستگی کی خواہش و تڑپ کیا ختم ہوگئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صحیح فرمایا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

بدأ الاسلام غريبا وسيعود غريبا فطوبى للغرباء	اسلام اجنبیت کی حالت میں ابھرا پھر وہ اجنبیت کی راہ پر واپس آجائیگا تو مبارک ہیں اجنبی لوگ۔

خدایا ہم مسلمانوں کے احوال کی درستگی فرما۔ ہمیں سنت سید المرسلین پر چلنے کی توفیق نصیب فرما۔ ہمیں معاصی اور دین میں بدعات پیدا کرنے سے دور رکھ۔

❊ ❊ ❊

محمد عبداللہ میمن

ستر پوشی انسانی فطرت اور بنیادی ضرورت ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت میں شرم وحیا کا فطری جذبہ پیدائشی طور پر رکھا ہے، اس فطری جذبہ کا سب سے پہلا مظہر وہ شرم ہے جو ایک انسان کو اپنے جسم کے مخصوص حصوں کو دوسروں کے سامنے کھولنے میں فطرۃً محسوس ہوتی ہے، قرآن کریم سے یہ بات واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ یہ شرم انسان کے اندر تہذیب وتمدن کے ارتقاء سے مصنوعی طور پر پیدا نہیں ہوئی، جیسا کہ آجکل کہا جاتا ہے کہ انسان اول ننگا پھرا کرتا تھا، اور اپنے کسی عضو کو دوسرے کے سامنے ظاہر کرنے میں کوئی شرم وحیا محسوس نہیں کرتا تھا۔ پھر ارتقائی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے لباس ایجاد کیا۔ بلکہ درحقیقت ستر پوشی اور لباس انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے، جو اوّل روز سے اس کے ساتھ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو جنت میں داخل فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کی ہر چیز استعمال کرنے کی اجازت دیدی، اور صرف ایک درخت کے پھل کے بارے میں منع فرمادیا کہ اس کا پھل مت کھانا۔ لیکن شیطان کو یہ بات کہاں گوارا تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں آرام سے رہیں۔ چنانچہ وہ بھی کسی طرح جنت میں داخل ہوگیا۔ اور بہلا پھسلا کر اس ممنوعہ درخت کے پھل کھانے پر آمادہ کرلیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہما السلام نے جیسے ہی یہ پھل چکھا تو فوراً اس کا یہ ردِّ عمل ہوا کہ

جنت کا لباس جو انہوں نے پہن رکھا تھا، اُتر گیا، اور اب شرم و حیا کے مارے جلدی جلدی درخت کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔

پھر مائل کر لیا ان کو فریب سے، پھر جب چکھا ان دونوں نے درخت کو تو ان پر ان کی شرمگاہیں کھل گئیں، اور لگے جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتے۔

قرآن کریم کے یہ الفاظ "وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ" واضح طور پر اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ جیسے ہی جنت کا لباس ان کے جسم سے اُتر گیا، تو شرم و حیا کے مارے وہ جلدی جلدی درختوں کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانپنے لگے، اور یہ فطری اور طبعی شرم و حیا تھی جو ان کی فطرت میں پیدائشی طور پر رکھی گئی تھی، اور تہذیب و تمدن کے بعد ارتقائی طور پر ان میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اسلئے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام پہلے انسان ہیں جن کی تخلیق کی گئی، اس سے پہلے کسی انسان کا وجود نہیں تھا۔

چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام درخت خرما کی طرح طویل القامت تھے، سر کے بال گھنے اور لمبے تھے، جب ان سے خطا سرزد ہو گئی تو ان کا چھپا ہوا جسم کھل گیا، اور اس سے پہلے اپنے مستور جسم کو دیکھتے نہ تھے، اب بدحواسی میں جنت کے اندر ادھر اُدھر بھاگنے لگے، جنت کے ایک درخت سے سر کے بال اُلجھ گئے، کہنے لگے: مجھے چھوڑ دے، درخت بول اٹھا: کہ میں نہ چھوڑوں گا، اللہ جل شانہٗ نے ندا دی: اے آدم! کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ حضرت آدم علیہ السلام کہنے لگے: اے رب! میں تجھ سے حیا کر رہا ہوں، کیونکہ کھل گیا ہوں۔[1]

حضرت وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ آدم و حوا علیہما السلام کا لباس نورانی تھا کہ ایک دوسرے کو برہنہ نہیں دیکھ سکتے تھے، اور جب برہنگی ظاہر ہو گئی تو اس برہنگی کو چھپانے کا خیال قدرتی طور پر پیدا ہوا۔[2]

ان روایات سے اس آیت کی تفسیر اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ ستر کھل جانے کی قباحت اور اس کا باعث شرم و حیا ہونا حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا ہے، اور ستر کھل جانے پر فوراً اس کو چھپانے کا خیال اسی لئے پیدا ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام ستر کھل جانے

---

[1] جامع البیان للطبری، الاعراف: ۲۲ و تفسیر ابن کثیر، الاعراف: ۲۲۔
[2] تفسیر ابن کثیر، ایضاً۔

اور دوسروں کے سامنے ظاہر ہونے کو عقلاً اور فطرتاً قبیح اور بُرا سمجھتے تھے، اور فطری الہام کے ذریعہ ان کو اس کی بُرائی کا احساس ہو گیا تھا، ورنہ وہاں پر ان کو اس بات کی تلقین کرنے والا اور بتلانے والا کوئی نہیں تھا۔ کہ اعضاءِ مستورہ کا ظاہر ہونا تہذیب و تمدّن کے خلاف ہے، لہٰذا درخت کے پتّوں سے اپنے اعضاء کو چھپالو۔

پھر "لباس" صرف "فطرت" ہی نہیں، بلکہ انسان کی بنیادی ضرورت میں بھی داخل ہے، اور اس کا بنیادی ضرورت میں داخل ہونا ایک طرف تو ہم خود بھی تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ ہم ابھی واضح کردینگے، تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو انسان کی بنیادی ضرورتوں کی فہرست میں شامل فرمایا ہے۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنّت میں بھیجا، اور ان کو وہاں رہنے کا حکم دیا، تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ:

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ○ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ○ [1]

اور یہاں جنّت میں تو تمھارے لئے یہ ہے کہ نہ تم کبھی بھوکے ہوگے، اور نہ ننگے ہوگے، اور نہ یہاں پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب کرکے جنّت کی بڑی اور افضل و اکمل نعمتوں کا ذکر کرنے کے بجائے ایسی چار بنیادی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، جس کی طرف انسان طبعی اور فطری طور پر محتاج ہے، جن کے بغیر انسان کی زندگی دوبھر ہو جائے، اور وہ موت کے منہ میں جانے لگے، یعنی غذا، پانی، لباس اور مسکن، جنّت میں تمھارے لئے ان کا انتظام سرکاری طور پر کیا جارہا ہے، کہ تم کو ان میں سے کوئی چیز حاصل کرنے کے لئے محنت اور کوشش نہیں کرنی پڑیگی، لیکن اگر وہ شیطان کے بہکائے میں آکر حکم سرکار کی خلاف ورزی کریں گے تو یہاں کی بڑی نعمتیں تو درکنار، یہ بنیادی آسائشیں تک حاصل نہ رہیں گی، چنانچہ ممنوعہ درخت کا پھل چکھتے ہی وہ بنیادی آسائشیں واپس لے لی گئیں، اور اس کا اوّلین ظہور لباس چھن جانے کی شکل میں ہوا، غذا، پانی اور مسکن سے محرومی کی نوبت تو بعد کو آئی تھی، اس کا پتہ بھوک پیاس لگنے پر ہی چل سکتا تھا۔ اور مکان سے نکلے جانے کی باری بھی بعد ہی میں آسکتی تھی۔ مگر پہلی چیز جس پر حکم عدولی کا اثر پڑا وہ سرکاری پوشاک تھی جو اسی وقت اُتروالی گئی۔

چنانچہ ایک طرف تو اس آیت میں "لباس" کو زندگی کی ایسی بنیادی چیزوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جن کا فطری اور بنیادی ہونا ہر شخص کو تسلیم ہے، یعنی غذا، پانی اور مسکن، انسان کی زندگی غذا اور

---

[1] سورۃ طٰہٰ: ۱۱۸، ۱۱۹۔

پانی پر موقوف ہے، کوئی انسان غذا اور پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، چند روز تک اگر غذا اور پانی میسر نہ آئے تو وہ انسان زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور مکان اور مسکن بھی انسان کی زندگی کی بنیادی ضروریات میں داخل ہے، انسان کو سردی اور گرمی اور دھوپ وغیرہ سے بچاؤ کیلئے مکان کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح "لباس" بھی انسان کی بنیادی ضرورت میں داخل ہے، اگر انسان کے پاس لباس نہ ہو تو وہ برہنہ حالت میں زندگی کا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اور اگر اس کے دماغ اور عقل میں فتور نہیں ہے اور وہ صحیح العقل ہے تو وہ برہنہ حالت میں دوسروں کے ساتھ ہرگز نہیں آئے گا، بلکہ خود اپنے آپ سے بھی شرمائیگا، اور کوشش کریگا کہ کوئی بھی ایسی چیز جلد از جلد میسر آجائے، جس سے میں اپنا ستر چھپالوں، اور اگر اس کی عقل میں فتور اور خرابی پیدا ہوگئی ہے، اور عقلِ سلیم کھو بیٹھا ہے یا اس کی عقل پر جنونیت اور دیوانہ پن مسلط ہو چکا ہے تو اس صورت میں وہ اسی برہنہ حالت میں نہ وہ اپنے آپ سے شرمائیگا، اور نہ دوسروں کے سامنے آنے سے شرم و حیا محسوس کریگا۔ بلکہ اس ننگے پن کو ہی فطرت اور عقل کے مطابق خیال کریگا، جیسا کہ آجکل کی دنیا میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت پیدا ہوئی ہے، جو لباس کو ایک فضول چیز خیال کرتی ہے، اور عریاں رہنے کو فطرت اور عقل کے موافق سمجھتی ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کا ستر پوشی کی طرف فوراً اقدام کرنا اور اللہ تعالیٰ کا "لباس" کو زندگی کی بنیادی ضروریات کی فہرست میں شامل کرنا واضح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ "لباس" پہننا، اور اس کے ذریعہ ستر پوشی حاصل کرنا انسان کی فطرت ہے، اور "لباس" سے بھاگنا فطرت کے خلاف بغاوت ہے، جس میں کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

"لباس" کا بنیادی ضرورت ہونا آجکل کی دُنیا بھی تسلیم کرتی ہے، چنانچہ آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب کوئی لیڈر اپنے کو عوام میں مقبول بنانا چاہتا ہے، اور عوام سے اپنے حق میں ووٹ حاصل کرنا چاہتا ہے، تو وہ اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ اگر اس کو اقتدار مل گیا تو وہ بنیادی ضروریات یعنی روٹی کپڑا اور مکان" عوام کو ضرور فراہم کریگا، چنانچہ "روٹی، کپڑا، اور مکان" کی فراہمی کا خوبصورت نعرہ عوام کو مرعوب کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ عوام بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہماری بنیادی ضروریات صرف یہی تین چیزیں ہیں۔ جو لیڈر بھی ان تین چیزوں کی فراہمی کا وعدہ کرے عوام اسکے پیچھے ہو لیتے ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے واضح طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ ایک طرف تو "لباس پہننا انسانی "فطرت" ہے، اور روزِ اول سے انسان کی فطرت اور سرشت میں داخل ہے، بعد میں ارتقائی طور پر انسان نے اسے اختیار نہیں کیا، اور دوسری طرف یہ انسان کی "بنیادی ضرورت" میں بھی داخل ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ "لباس" ارتقائی طور پر انسان کے جسم پر آیا، کسی طرح بھی درست نہیں، اور عقلِ سلیم رکھنے والا انسان اس کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

مولانا صبغۃ الرحمن صاحب

اکابر کی وصایا

(آخری قسط)

حضرت سعد ابن ابی وقاص کی وصیت:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عامرؒ بیان کرتے ہیں کہ والد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مرض وفات میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے واسطے بغلی قبر بنائی جائے اور اس کو بند کرنے کیلئے کچی اینٹیں کھڑی کردی جائیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم، معارف الحدیث) لے

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی کی وصیت:

صاحبزادوں کے نام:

۱۔ کیمیا گری کے چکر میں نہ پڑنا۔
۲۔ ہمزاد، جنوں کو قابو کرنا، عملیات کرنا ٹھیک نہیں۔
۳۔ صرف ذکر الٰہی میں مداومت کرنا۔
۴۔ کبھی کسی کی ضمانت نہ کرنا۔ لے

حضرت رائے پوری کی نصائح:

یہ نصیحت نامہ حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے اپنی صاحبزادی صاحبہ (والدہ محترمہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ کو ان کی شادی کے موقع پر تحریر کر کے عنایت فرمایا:۔

اوّل: یہ کہ دُنیا ناپائیدار ہے نہ یہاں کی خوشی باقی رہتی ہے نہ رنج وغم باقی رہتا ہے، یہاں سب مُسافر ہیں، اپنے اپنے وقت پر سب کوچ کرنے والے ہیں، یہاں کی سب چیزیں کھانا، کپڑا، زیور یا مکان، بھائی، باپ، دولت یا آشنا یہیں چھوٹ جاتا ہے، ان میں سے کوئی ساتھ نہیں جاتا، قبر کے گڑھے میں جو اندھیری اور تنہائی کا گھر ہے، اکیلے کو ڈال کر چلے آتے ہیں، جسم کو کیڑے کھالیتے ہیں، پیٹ پھوٹ کر ایسی بدبو پھیلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ فقط ایمان اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کام، وہاں کام آتے ہیں، جس کا ایمان خراب ہوگیا وہ برباد و تباہ ہوگیا، اس کا کہیں ٹھکانا نہیں۔

سو ایمان کی حفاظت بہت ضروری ہے جن چیزوں سے ایمان جاتا رہتا ہے وہ دو ہیں: ایک شرک دُوسرا کفر، شرک کا تو کتاب نصیحۃ المسلمین اور تقویۃ الایمان میں اچھی طرح سے بیان ہے، اور کفر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا، سنّت اور دین کی بات کو حقیر یا ذلیل جاننا اور عیب لگانا اور اگر کوئی دین کی بات پر طعن کرتا ہو، اس کی ہاں میں ہاں ملانا، ان سب باتوں سے آدمی کافر بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو جاتا ہے اور بدعت سے ایمان خراب ہو جاتا ہے، اسکا بیان بھی ان دونوں کتابوں میں اچھی طرح سے ہے۔

دُوسرے: یہ کہ نماز کی بہت حفاظت کرنی چاہیئے، اوّل وقت پر ادا کرنی چاہیئے، کسی کام یا شرم دُنیا کی وجہ سے نماز ضائع نہ کرنی چاہیئے، جو کوئی نماز کو جان کر ترک کرتا ہے وہ کافر بننے کے نزدیک ہو جاتا ہے۔

تیسرے: یہ کہ جس روز سے اللہ صاحب نے تجھ کو زیور دیا ہے اس روز سے جب برس پورا ہوگا تو چالیسواں حصہ اس میں سے زکوٰۃ دینا تجھ پر فرض ہوگا اور قربانی کرنا اور عید کے روز صدقہ وغیرہ دینا واجب ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتا، اس کے مال کے پترے بنا کر دوزخ میں گرم کر کے اس کی پیشانی اور پسلیوں پر داغ دیا جائیگا۔

چوتھے: یہ کہ خاوند کی تابعداری اور خوش رکھنا اور حکم ماننا ان باتوں میں جن میں اللہ و رسولؐ کی ناراضگی ہو بچتے رہنا، دل اور ظاہر میں خیرخواہی کرنا، کسی امر میں ناراض نہ کرنا اگر قصور ہو جائے تو معاف کرانا اور جہاں تک ہو سکے دین کی رغبت دلانا اور ادب کے ساتھ نرمی سے نصیحت کرنا ضروری ہے۔

پانچویں: یہ کہ پانی پت والی (پانی پت والی سے مراد حضرت راؤ تصدق حسین خان صاحب گنتھلوی کی پہلی زوجۂ محترمہ ہیں) اور اس کی اولاد کے ساتھ ایسی تابعداری اور محبت کا برتاؤ کرنا کہ ان کے دل میں محبت اور راحت ہو، نہ یہ کہ ایسی بات کرے جس سے ان کو رنج پہنچے، اگر تجھ سے نفرت و عداوت

ل اسوۂ رسول اکرمؐ ص ۶۱۸، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب مدظلہم۔ اشاعت اوّل۔ ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ، ناشر: امتیاز الدین صدیقی الہ آبادی، کراچی ۲، ۲ وصایا ص ۴۷۔

ہو، جہاں تک ہو سکے اپنے آپ کو ان کی خدمت کرنے والی اور تابعدار سمجھنا اور ان کی خیر خواہی کرنا، ہر بات میں ان کا ادب کرنا۔

چھٹے: یہ کہ اپنے کنبے والوں اور نزدیکیوں اور قریبیوں سے بہت محبت اور ادب سے برتاؤ کرنا کہ ان کے دل میں تیری محبت اور زبان پر تیری تعریف ہو اور اپنے آپ کو سب سے کم جاننا۔

ساتویں: یہ کہ ہر ایک آدمی سے نرم زبانی سے بولنا، خاکساری سے رہنا، ہر ایک کی خاطر اور تواضع کرنا، کسی کو سخت بات نہ کہنا، جو تجھ کو کوئی سخت بات کہے اس کو ویسا جواب نہ دینا، اپنے قصور کو قصور سمجھنا، دوسروں کے عیب نہ دیکھنا، کسی کی بات کسی سے نہ کہنا، کسی کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا، تکبر اور غرور نہ کرنا کیونکہ تکبر کرنے والا اللہ پاک کا دشمن ہوتا ہے اور کتاب تنبیہ الغافلین اور اکسیر ہدایت مطالعہ میں رکھنا، جو کچھ ان میں لکھا ہے اس پر عمل کرنا، قرآن شریف کی تلاوت ہمیشہ کرنا اور جو جو سورتیں جس جس وقت پڑھنی بتلائی ہیں ان کو ہرگز نہ چھوڑنا۔

جو کوئی مانگنے والا حاجت مند کچھ سوال کرے، اپنے مقدور بھر ان کے ساتھ سلوک کرنا، مہمان کی خاطر داری اور تواضع کرنا اور اپنی مشکل اور حاجت میں اپنے رب ہی سے دعا اور عاجزی کرنا، کسی مخلوق سے امید نہ رکھنا۔

اب اللہ پاک تجھ کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیں، توفیق اسی کے اختیار میں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ [1]

حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کی وصایا:

بقلم احقر محمد حسن (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) مورخہ ۱۰ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۶ دسمبر۔

چونکہ وصیت لکھنے اور کرنے کا حکم ہے، اس واسطے ذیل کا مضمون تجویز کرتا ہوں:

۱ - میری ملکیت میں کچھ دینی کتابیں ہیں یا گھر کا معمولی سامان وہ شریعت کے مطابق تقسیم کی جاویں۔

۲ - میری کتابوں میں اگر جامعہ اشرفیہ کی کتاب ہو اس کو واپس مدرسہ میں داخل کیا جاوے۔

۳ - جس جگہ موت واقع ہو وہاں ہی مجھ کو دفن کیا جاوے، کوئی رسم بعد موت کے نہ کی جاوے، قبر میں رکھ کر منہ قبلہ کی طرف کیا جاوے، قبر کی مشرقی دیوار کا سہارا دے کر منہ قبلہ کی طرف کیا جاوے۔

۴ - میرے لئے ایصال ثواب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز کے مطابق کیا جاوے، بطریق رسم جمع ہو کر نہ کیا جاوے، اگر تنہا بیٹھ کر تلاوت کر کے ثواب پہنچایا جاوے تو بہت احسان ہوگا۔

۵ - روزمرہ سورہ یٰسین (شریف) اگر پڑھ کر مجھ کو ثواب پہنچایا جاوے تو احسان ہوگا اگر یہ نہ ہو سکے تو ہر روز تین بار قل ھو اللہ (شریف) پڑھ کر ثواب پہنچایا جاوے۔

۶ - میری اولاد کو لازم ہے کہ حضرت (حکیم الامت) تھانویؒ کی کتابوں کا مطالعہ حرز جاں سمجھ کر کریں، خصوصاً بہشتی زیور، جزاء الاعمال، تعلیم الدین، مواعظ و ملفوظات کو ہر روز دیکھا کریں۔

۷ ۔ مدرسہ جامعہ اشرفیہ کو حضرت تھانویؒ کے مسلک پر چلایا جاوے۔

۸ ۔ اگر کسی وقت امداد کم ہو تو کام بھی کم کیا جاوے۔

۹ ۔ مکرر عرض ہے کہ حضرت تھانویؒ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری بنائیں۔

۱۰ ۔ مدرسہ کی آمدن میں بھی شریعت کے قوانین کی خوب رعایت کریں۔

۱۱ ۔ مدرسین وہ ہوں جو حضرت تھانویؒ کے خوب مطیع اور معتقد ہوں۔

۱۲ ۔ اتباع احکام شرعیہ کو سنگ پارس کا پتھر یقین کریں۔

۱۳ ۔ میرے دو بھائی اس وقت زندہ ہیں ان کا ادب باپ کی طرح کریں، آپس میں اتفاق سے رہیں۔

۱۴ ۔ برخوردار حافظ عبدالرحمٰن مدرسہ کی خدمت ارکان مدرسہ اور خصوصاً برخوردار حافظ عبیداللہ کے مشورہ سے کیا کریں۔

۱۵ ۔ مدرسہ کی رقم کی حفاظت جزوِ ایمان سمجھیں۔ فقط۔ ؎

مولانا عبدالحق صاحب متوطن پور قاضی کی نصائح :

ذیل میں درج کی جانے والی مولانا موصوف کی نصائح کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ رقمطراز ہیں:

بعد الحمد والصلوٰۃ ، احقر اشرف علی تھانوی عرض کرتا ہے کہ آج میں نے تقریر لطیف سعادت نصیب نہایت شوق سے پڑھی، حرف حرف پر انشراح بڑھتا جاتا تھا، سبحان اللہ سچ ہے کہ دریا کو کوزے میں بھرا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا اور دعا کے ساتھ امید ہے کہ لڑکیوں کو بیحد نافع ہوگی، میری تمنا ہے کہ اس کو مستقلاً یا کسی رسالہ کے ساتھ چھاپ کر سب گھروں میں پہنچانے کی کوشش کی جاویگی، وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ؕ

اشرف علی عفی عنہ۔ مقام تھانہ بھون

۳ صفر ۱۳۳۰ھ

حامداً ومصلیاً :

پیاری دختر لختِ جگر اسعدك الله تعالیٰ فی الدارین متفا ولا باسمك الیمون ابھی تک تم اپنی مادر مشفقہ اور اپنے مہربان والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتی رہی ہو، تمہارے والدین تمہارے آرام وراحت کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے رہے، تمہاری تعلیم وتربیت ودرستی اخلاق اور ہر قسم کی بہبودی کے ذمہ دار تھے، آج سے تم ایک نئی دنیا میں قدم رکھتی ہو، جہاں تمہارے تمام اخلاق وعادات اور اخلاق و سکنات کی ذمہ داری خود تم پر عائد ہوگی، اس لئے میں چند ہدایتیں تم کو کرتا ہوں، کہ اگر تم ان پر کاربند ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ دین اور دنیا کی کامیابی تم کو نصیب ہوگی، وہ ہدایتیں یہ ہیں :

؎ خدام الدین لاہور ص ۱۸۔

؎ وصایا ص ۱۰۸۔

سب سے مقدم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے، ان کا ہمیشہ دل سے خیال رکھو، خداوند تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اگر کوئی کام کہے، کہنے والا خواہ کوئی ہو اس کا کہنا ہرگز مت مانو، دیکھو ماں باپ کی اطاعت کی قرآن شریف میں حد درجہ کی تاکید آئی ہے اور جنت ماں باپ کے قدموں کے نیچے ہے، لیکن خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اگر ماں باپ بھی کہیں تو ان کا بھی کہنا نہ مانو۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی صاحب مثنوی کی وصایا:

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں: کھلے اور چھپے خدا سے ڈرنے کی، کھانے، سونے اور بولنے میں کمی کرو، گناہوں سے دُور رہو، شہوتوں کو ترک کرو، قیام شب اور روزوں کا اہتمام کرو، ہر طرح کے انسانوں کی جفاؤں کو برداشت کرو، نادانوں اور عامیوں کی ہم نشینی چھوڑو۔

نیکوں، بزرگوں کی صحبت اختیار کرو، بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور دلیل والا ہو، ترک ہوا قوت پیغمبری است، تمام تعریف و توصیف خدائے واحد کے لئے ہے اور اس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو۔ [۱]

حضرت مولانا سید محمد بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی کی وصایا:

[۲] عزیزوں کو مجھے ایک راز کی ہے اب خبر کرنا
اگر محفوظ رہنا ہو تو طیبہ میں گذر کرنا

جہاں اب پھنسنے والا ہے فتن میں دین و ایمان کے
بہت مشکل ہے مومن کو کہیں باہر بسر کرنا

جو ناقدری میں گذری وہ تو گذری زندگی اپنی
جو باقی ہے اسی کی قدر تم اب عمر بھر کرنا

دُعائیں مانگنا اس کی کہ اب جو عمر باقی ہے
خدا تم کو عطا کر دے مدینہ میں بسر کرنا

بھروسہ بھول کر بھی تم نہ کرنا اپنی دولت پر
نہیں آساں کسی کو اس کٹھن منزل کا سر کرنا

بُلا لیں جس کو مرضی ہو، نکالیں جس کو جی چاہے
انہیں کے دست قدرت میں ہے سب زیر و زبر کرنا

ہمیشہ عجز و زاری سے، ہمیشہ آہ و نالہ سے
فقط ایک اس کی رحمت پر جما کر تم نظر کرنا

امیدیں اس سے رکھنا جس کی رحمت ہے جہانوں پر
اسی سے مانگنا اور بس اسی پر تم نظر رکھنا

یہ مرکز ہے مہاجر ہے مسلمانوں کا اول سے
پہنچ جاؤ مقدر سے تو غفلت سے حذر کرنا

تجارت کے ارادے سے نہ آنا اس طرف ہرگز
قناعت سے یہاں رہنا شرافت سے گذر کرنا

حرم میں خوب جا جا کر مزے لینا عبادت کے
اسی میں آ کے پڑ رہنا وہیں شام و سحر کرنا

کسی پر نکتہ چینی سے ہمیشہ محترز رہنا
کہیں باہر نکلنا ہو تو بس ہمیشہ نیچی نظر کرنا

بہت غیرت ہے ان کو اس حرم کے بسنے والوں کی
اگر منظور ہو بسنا تو ڈر ڈر کے بسر کرنا

حماقت ہے کہ غیبت کر کے خود حبط عمل کر لو
نہ باہم تفرقے پھیلا کے پھر سب کو نڈر کرنا

ہمیں توفیق مل جائے کہ سب شیر و شکر بن کر
یہی سیکھیں عدو سے بھی ہے بہتر درگذر کرنا

---

[۱] وصایا ص ۳۴

(بقیہ صفحہ ۶۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

• مولانا عبدالرؤف سکھروی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ

اسلام کے معاشی اصول

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

اسلام نے معاشیات کے جو گُر بتائے ہیں، دُنیا بھر کے سارے فلاسفہ اپنی عقلیں دوڑالیں اور ریسرچ کرلیں، اس سے بہتر اصول نہیں لاسکتے۔ فرمایا ہے کہ "مال کو حلال طریقہ سے حاصل کرو اور پھر اس کو ناجائز طور پر صرف نہ ہونے دو۔" ایک طرف کمانے کے طریقے اور دوسری طرف خرچ کرنے کے طریقے، دونوں کی حدود اللہ پاک نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے بندوں کو تعلیم کئے ہیں۔

دولت کمانا اور خرچ کرنا:

اب دیکھنا یہ ہے کہ ساری معیشت دو اجزاء پر مشتمل ہے، ایک پیسہ حاصل کرنا، دوسرا اس کو خرچ کرنا، تو ظاہر ہے کہ دولت حاصل کرنے میں اس کے اسباب تو اختیاری ہیں۔ لیکن دولت حاصل کرنا بذاتِ خود غیر اختیاری ہے، اور آج ہم اختیاری چیز کو چھوڑ کر غیر اختیاری کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن خرچ کرنا پورے طور پر اختیاری فعل ہے۔ اب سب سے پہلے حصولِ زر کو

لیجیے۔ کاشتکار زمین میں ہل چلاتا ہے۔ پھر اپنا وقت اور پیسہ لگا کر زمین میں بیج بوتا ہے، پھر پانی دیتا ہے، یہ ذرائع ہیں حصولِ زر کے۔ جو اختیاری ہیں۔ اسی طرح دُکاندار دُکان لگائے اس میں مال سجائے جو مال بازار میں فروخت کے قابل ہے، وہ اکٹھا کرے، یہ ذرائع اختیاری ہیں، لیکن گاہک کی جیب سے پیسہ نکالے یہ غیر اختیاری ہے۔ ایک ہی قسم کی دس دُکانیں ہیں۔ دوسے گاہک سودا لیتا ہے، دوسے نہیں لیتا۔ یہ رزاقی خداوندِ کریم کی ہے کہ جو گاہک کے دل میں ڈالتا ہے کہ فلاں دُکان سے خرید کرے، یہ رزاقی اللہ پاک کی ہے کہ وہ زمین سے اناج پیدا کر کے اس کو گرمی، سردی، دھوپ، بارش، ہوا تمام طریقوں سے اناج کی پرورش کرتا ہے، اور عام عادت اللہ تعالیٰ کی یہی ہے کہ جو محنت کرتا ہے اس کو اس کا پھل ضرور عطا کرتے ہیں لیکن وہ اس کے مختار ہیں کہ چاہیں تو ان سب ذرائع کے باوجود ناکام کردیں۔ اور چاہیں تو تھوڑے ذرائع سے تھوڑے اسباب سے زیادہ معاوضہ عطا کردیں تاہم سبب کا اختیار کرنا، اختیاری فعل ہے اور اس کے ثمرات حاصل ہونا غیر اختیاری ہے۔

اب جبکہ پیسہ حاصل ہوگیا تو اس کا خرچ کرنا یہ انسان کیلئے اختیاری چیز ہے۔ چاہے تو سو روپیہ ایک دن میں یا ایک وقت میں خرچ کردے۔ لیکن اس کے لئے بھی اصول بتائے ہیں، حدود قائم کی ہیں، حقوق بتلائے ہیں، اب جو ان اصول و حدود میں رہ کر اپنے اخراجات کو ایک نظام سے چلائے اس کو برکت بھی ملتی ہے، اور وہ کبھی پریشان نہیں رہتا۔

دولت خرچ کرنیکا اصول:

اصول سب سے بڑا یہ ہے کہ ضروریات پر خرچ کرو۔ فضولیات سے بچو۔ آج ہمارے معاشرہ میں اگر غور کیا جائے تو ضروریات کم ہیں، فضولیات زیادہ ہیں، بلکہ فضولیات کا نام ہی ہم نے ضروریات رکھ لیا ہے، میں سچ کہتا ہوں کہ اگر انسان اس زریں اصول پر عمل کرے تو آج دنیا کو نوّے فیصد معاشی تنگی اور بدحالی دُور ہوجائے: یہ ساری دُنیا جو پریشان ہے، آپ تجزیہ کر کے دیکھ لیں کہ ان میں کچھ تو ایسے آدمی ضرور ہیں جو آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہیں۔ لیکن کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کی آمدنی تو ہے، لیکن وہ اس آمدنی سے اپنے اخراجات کے کفیل نہیں ہوسکتے۔ اور ہوں بھی کس طرح؟ آج غسل خانے اور پاخانے میں ٹائل تو لگتے ہیں۔ لیکن بیوی، بچوں کی جائز ضروریات پوری طرح ادا نہیں ہوتیں، آج ٹیلیفون اور موٹر تو ضروریات بن گئیں، اور ہمسایہ بھوکا سو رہا ہے۔

بڑے سے بڑے گھرانے کا حال آج یہ ہے کہ مہینہ کی اوّل تاریخوں میں اخراجات کی اور حالت ہے اور آخیر تاریخوں میں قرضے کی نوبت آجاتی ہے۔ پہلے لوگوں میں کبھی پہلی اور آخری تاریخ کا فرق کوئی جانتا بھی نہ تھا وجہ یہ ہے کہ وہ اس اصول پر عامل تھے۔

کفایت شعاری کی مثالیں:

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے بکس میں بہت سے چھوٹے، بڑے سادہ کاغذوں کا ڈھیر جمع رہتا تھا۔ دیکھنے والے بڑے حیران کہ ان کاغذوں پر کچھ لکھا ہوا بھی نہیں ہے۔ بظاہر یہ چھوٹے، بڑے کاغذ کسی کام کے بھی نہیں، پھر آخر وجہ کیا ہے؟ دریافت پر معلوم ہوا کہ حضرت کے پاس جو خطوط آتے تھے ان میں تحریر کے بعد جو فاضل کاغذ چھوٹا ہوا ہوتا تھا آپ اس کو کاٹ کر بکس میں رکھ لیا کرتے تھے۔ تاکہ مسلمان کا پیسہ ضائع نہ ہو، پھر اس کو چھوٹی، موٹی ضروریات میں کام لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے پاس ہزاروں خطوط کے جوابات دیئے جانے کے باوجود کبھی بازار سے کاغذ نہیں خریدا گیا۔

یہ صرف ایک مثال تھی خرچ کرنے میں کفایت شعاری کی۔ اور آج ہم ایسا کرنے لگیں تو لوگ کنجوس کہیں گے مگر وہ اس کے باوجود جہاں خرچ کرنے کا موقع ہوتا، سب سے بڑھ کر خرچ کرتے۔

ایک دفعہ کسی جگہ سے کوئی صاحب چندہ لینے آئے۔ آپ نے ان کو پچاس روپے نکال کر دیدیئے۔ وہی چندہ لینے والے شخص ایک مالدار کے یہاں جو آپ کے عزیز بھی تھے گئے۔ انہوں نے پانچ روپے دیئے۔ ان صاحب نے کہا: واہ صاحب! مولانا صاحب نے تو پچاس روپے دیئے تھے۔ وہ بھی حاضر جواب تھے۔ فرمایا کہ بھائی! مولانا کے پچاس کے مقابلہ میں ہمارے پانچ بھی بہت ہیں۔ اس لئے کہ ان کو تو لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو سرکنڈے سے مفت میں کام نکال لیتے ہیں، اور مجھے لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو پچاس روپے کا فونٹین پین چاہیئے۔

اب ان کو کون سمجھاتا کہ حضرت آپ کو کس نے منع کیا ہے کہ مفت کا سرکنڈا استعمال نہ کریں۔

اسی طرح دارالعلوم کے مہتمم کا آپ کے پاس خط آیا، اس میں کاغذ کی دو تہیں تھیں۔ آپ نے وہ زائد کاغذ پھاڑ کر ان کو واپس بھیج دیا، اور خط کا جواب علیحدہ کاغذ پر اپنے پاس سے لکھا، اور تحریر فرمایا کہ یہ مدرسہ کی امانت ہے اس کو ضائع ہونے سے بچاؤ۔

اسی طرح آپ ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہے تھے۔ کھاتے میں ایک بوٹی گر گئی۔ آپ نے اس کو اٹھایا اور دھو کر کھا لیا۔ پاس چند آجکل کے تہذیب یافتہ بیٹھے ہوئے تھے، ان کو کچھ ناگوار محسوس ہوا۔ آپ نے کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ایک ایک لقمہ پر اللہ تعالیٰ کی کتنی مخلوق نے محنت کی ہے۔ زمین نے، سورج نے، چاند نے، جانوروں نے، ہواؤں نے، مٹی نے، پانی نے اور ہم اسکی بے قدری کریں۔

ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نعمت اللہ کی ہم کو حاصل ہو اس کی قدر کر لیا کریں، اور ضائع ہونے سے بچائیں یہی حکمت کھانے کی پلیٹ صاف کرنے میں ہے۔ پھر ساتھ ساتھ کہ داد و دہش کا جہاں موقع ہوتا آپ بیدریغ کرتے۔

ایک مرتبہ مدرسہ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ملازمین مدرسہ دوران ملازمت کچھ رقم قرض لینا چاہتے ہیں، اب وہ کس طرح تحویل میں سے دی جائے۔ آپ نے فرمایا: تحویل میں سے نہ دو۔ بلکہ اس کے لئے ایک علیحدہ فنڈ بنالو۔ اور سب سے پہلے خود پانچ سو روپیہ آگے رکھ دیئے۔ پھر سب نے اور کچھ رقم ملا کر فنڈ قائم کیا۔ یہ بزرگ تھے ان کو آتا تھا خرچ کرنا، اور ضائع ہونے سے بچانا۔

تہذیب مغرب کی لعنت :

اور سچ تو یہ ہے کہ یہ مغربی تہذیب نے ہمارے اخراجات اتنے بڑھا دیئے ہیں کہ ایک ملازم مجبوراً اپنے اخراجات کو پُورا کرنے کے لئے رشوت لیتا ہے۔ ایک دُکاندار مجبوراً جھوٹ بولتا ہے۔ یہ ساری لعنت ان بیجا لوازمات کی ہے۔ جس کو اگر ہم چھوڑ دیں تو سکھ بھی حاصل ہو اور آمدنی بھی پوری ہو جائے بلکہ بچ جائے۔

کپڑوں میں پیوند :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کوئی کپڑا ضائع مت کرو، جب تک اس میں پیوند لگا کر نہ پہن لو۔ آج پیوند تو درکنار فیشن بدل جانے سے بہت سے کپڑے ہمارے گھروں میں ایسے ہی پڑے رہتے ہیں۔ یہ سب فضولیات نہیں تو کیا ہیں؟

حضرت ابراہیم ادھم رحمہ اللہ کی بابت تو سب کو معلوم ہے' جو بادشاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کرتے وقت ایک تکیہ، ایک پیالہ اور ایک ڈول لیکر چلے۔ پھر راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر سو رہا ہے۔ آپ نے تکیہ پھینک دیا۔ پھر ایک شخص کو ہاتھ سے پانی پیتے دیکھا تو پیالہ پھینک دیا، اور ایک ہرن کی خاطر اللہ تعالیٰ نے کنوئیں کے پانی کو جوش دیکر اوپر کر دیا۔ اور ہرن نے اپنی پیاس بجھائی۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنا ڈول، رسی بھی پھینک دیا۔ وہ تو بہت اعلیٰ درجے کے' بہت اُونچی بات ہے۔

ایک گھسیارہ کے حسنِ انتظام :

ابھی ہمارے زمانہ کی تھانہ بھون کی بات ہے کہ ایک شخص جنگل سے گھاس کاٹ کر بازار میں چھ پیسہ کی روزانہ بیچتا تھا۔ بس وہ اتنی ہی گھاس روزانہ لاتا اور چھ پیسے کم نہ زیادہ۔ بس چھ پیسے سے ہی گذارا کرتا تھا۔ ایک روز ایک تحصیلدار کا آدمی آیا، اور گھاس اُٹھوا کرلے گیا۔ اور جاکر جیسے یہ حکومت والے رعب دکھاتے ہیں اس کو چار پیسے حوالے کئے۔ اس نے کہا کہ میری گھاس تو چھ پیسے کی ہے۔ وہ بولا: جاؤ، بس یہی ملے گا۔ وہ بیچارہ چلا گیا۔ ابھی گھوڑے نے گھاس پر منہ ڈالا تھا کہ گھوڑا زمین کے بل گر گیا۔ حکیم، ڈاکٹر آئے۔ لوگوں نے کہا یہاں یہ گھوڑا حکیم، ڈاکٹروں سے نہیں بچے گا۔ اسی گھاس والے کو بُلاؤ۔ چنانچہ ان کو بلایا، اور اب تحصیلدار نے بڑی عزت اور منت، سماجت کی اور دس روپے آپ کی خدمت میں پیش کئے، انہوں نے دہ روپے اٹھا کر پھینک دیئے۔ اور کہا: مجھے تو دو پیسے چاہئیں۔ وہ لے لئے۔ گھوڑا ٹھیک ہو گیا۔

اب سُنئے! وہ اس چھ پیسہ کا کرتا کیا تھا؟ چار پیسہ میں دونوں وقت کھاتا، ایک پیسہ بیماری، کپڑا وغیرہ ضروریات کیلئے جمع کرتا، اور ایک پیسہ میں سے آدھا یعنی دھیلا اپنی ایک بچی کیلئے جمع رکھتا' اور ایک دھیلا بزرگوں کے ہدیہ کیلئے جمع کرتا۔ چنانچہ اس طرح جب وہ دھیلا جمع کرتے کرتے تین آنے ہو جاتے تو وہ لیکر جاتے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس، اور کہتے: بھائی! پکانا تو مجھے آتا نہیں یہ تم تینوں کے دعوت کے پیسے ہیں، اور وہ حضرات بڑی خوشی سے یہ پیسے لیکر دعوت کھاتے' بلکہ اس دعوت کے ہمیشہ منتظر رہتے۔

کیونکہ اس دعوت کو کھانے کے بعد ان میں سے ہر ایک کا یہ بیان تھا کہ آج رات بھر نہ تو نیند آئی اور نہ کسل ہوا۔ بس رات بھر عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کو طبیعت چاہی۔ یہ تھے وہ چھ پیسے جو گھاس بیچکر ایک نظام کے تحت خرچ کرتے تھے۔

تو بھائی حصولِ زر اگر غیر اختیاری ہے تو اس کے اسباب تو اختیاری ہیں۔ ہم غیر اختیاری کے پیچھے کیوں پڑیں، اس کا صرف کرنا جو اختیاری ہے اس میں حدود شرعی کے تحت صرف کریں۔ دیکھئے کتنی برکت ہوتی ہے، اور کتنی بلاؤں سے آپ محفوظ رہتے ہیں۔ اور کیسی سہل اور آرام دہ زندگی گذرتی ہے۔

حضرتؒ کا یہ حال تھا کہ جیسے ہر وقت موت کیلئے تیار رہتے تھے، اپنی سہ دری میں جو چیزیں تھیں بس فرمایا کرتے تھے یہی میری ملکیت ہے، جو گھر میں ہے وہ گھر والوں کا ہے۔ چنانچہ اس سہ دری میں اگر ایک پنکھا مسجد کا آجاتا تو فوراً وہاں سے ہٹا دیتے تھے۔ یہ تھی بزرگوں کی شان۔

مجلس کا خلاصہ:

تو حاصل آج کی نشست کا یہ ہوا کہ ہم اختیاری کو عمل میں لائیں، غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑیں۔ جو کچھ خدا کی طرف سے آئے اس پر قانع رہیں، اور تہذیب مغربی اور رسم و رواج اور لوگوں کے کہنے کی طرف نہ دیکھیں۔ بلکہ حدود شرعی معلوم کریں، اور اپنے مال کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اور اسکی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ اللہ پاک ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہے تو ایک چھوٹا سا عمل۔ لیکن آج سے اگر ہم شروع کردیں تو بہت فرق پڑ جائیگا۔ ہر بلڈنگ میں ہر محلہ میں دیکھا جاتا ہے کہ کہیں چاول پڑے ہیں، کہیں سڑا ہوا سالن پڑا ہوا ہے، یہ چیزیں ضائع ہونے سے پہلے ہی اگر بچ رہی ہیں تو کسی کے منہ میں پڑ جائے، ان کو خراب ہونے سے پہلے فوراً کسی کے گھر بھیجد یا جائے اور قبول کرنے والے بھی خواہ کتنا ہی چھوٹی تعداد کا ہدیہ قبول کرلیں۔ اس کا ہی اگر رواج پڑ جائے تو بڑے وبال سے بچ سکتے ہو۔ چونکہ یہی تھوڑا تھوڑا نعمتوں کے ضائع کرنے کا ہم کو بڑا وبال اٹھانا پڑا ہے اسی سے ہم شروع کردیں۔ آگے جس کو جتنی خدا توفیق دے۔

اللہ پاک ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

مجلس، ۲۷ مئی ۱۹۶۶ء

پاکیزہ روحوں کی پاکیزہ پسند الکحل سے پاک
موسم سرما کی جان * ہر عبادت کی شان
عطر شمامۃ العنبر
ملنے کا پتہ:- عجمی ٹریڈرز لیاقت آباد ۳ متصل حبیب بینک
سواد المجنت ۱- برائے عبدالغنی محمد اسمٰعیل تاجر عطر (قائم شدہ ۱۹۰۴ء دہلی) کراچی
کراچی کی علمی دنیا میں
مستند اور معیاری اسلامی، علمی و ادبی کتب کا لائق توجہ ادارہ
عربی، اُردو اور سندھی کتب کا
ایسا ذخیرہ جو آپ کی علمی تشنگی
میں معاون ہو سکتا ہے۔
تشریف لائیے
اور
اپنے علمی و دینی ذوق کی تسکین فرمائیے
مکتبہ برھان
اُردو بازار۔ کراچی نمبر 2 فون: 219221
فہرست کتب مفت طلب کریں
کتب اندرون ملک و بیرون ممالک بھیجنے کا انتظام ہے۔

تحریر: عبدالرزاق الفیصل

"انجمن تدریب البیان" کے زیر اہتمام ایک انعامی مقابلہ کے جلسہ کی کاروائی

جامعہ دارالعلوم کراچی میں طلباء کو تقریر و تحریر کی تربیت کے لئے انجمنیں بنائی جاتی ہے بعض انجمنیں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے قائم ہیں اور ان میں طلبہ ہر جمعرات کو عشاء کے بعد جمع ہو کر تقریر و تحریر کی مشق کرتے ہیں۔ ۱۴۰۷ھ سے یہ انجمنیں تعلیمی درجات کے حساب سے بنائی گئی ہیں مرحلہ ثانویہ خاصہ کی انجمن تدریب البیان کا افتتاح ۱۷ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ بروز جمعرات کو ہوا۔ افتتاحی تقریب سے جامعہ کے اساتذہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دامت برکاتہم اور مولانا قاری عبدالملک صاحب دامت برکاتہم نے خطاب کیا انجمن تدریب البیان کے زیر اہتمام سال کے اندر چھ بڑے جلسے ہوئے جن میں جامعہ کے ناظم تعلیمات جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا شمس الحق صاحب دامت برکاتہم اور جامعہ کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور مدرس جامعہ ہذا حضرت مولانا طاہر محمود صاحب نے طلبہ سے خطاب کیا۔

امسال ۱۶ محرم الحرام بروز جمعرات ایک عظیم الشان انعامی مقابلہ منعقد کیا جسمیں جامعہ کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم مہمان خصوصی تھے اس انعامی مقابلہ میں تمام درجوں سے تقریباً ۲۴ طلباء نے حصہ لیا مقابلہ میں تقریریں (اردو، فارسی، عربی) مقالے، نظمیں اور قصیدے شامل تھے مقابلے میں اول، دوم، سوم آنے والوں کو گراں قدر انعامات دیئے گئے اور مقابلے میں شریک ہر طالب کو مقابلے میں شرکت کی بناء پر بھی انعام دیا گیا ان کے علاوہ منتظمین کو بھی انعامات دیئے گئے مقابلے میں جامعہ کے اساتذہ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم اور مولانا عبداللہ میمن صاحب دامت برکاتہم منصف تھے یہ مقابلہ جامعہ کے سابقہ دارالحدیث میں ہوا۔ مقابلہ نماز مغرب کے بعد شروع ہوا اور رات کے ایک بجے تک جاری رہا۔ آخر میں

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے طلبہ سے خطاب کیا حضرت کے خطاب سے قبل راقم الحروف نے جسے طلبہ نے اس انجمن کی صدارت کی ذمہ داریاں سونپی ہوئی ہیں سپاسنامہ پیش کیا۔ سپاسنامے میں سامعین کا شکریہ ادا کیا گیا اور موجودہ دور کے فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے انسداد کے لئے طلبہ کے تحریر و تقریر کی مشق کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا، نیز انجمن تدریب البیان کے سوا سال کی سالانہ روداد بیان کی حضرت صدر صاحب دامت برکاتہم نے خطاب کرتے ہوئے انجمن کے کارکن طلبہ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور فرمایا کہ مجھے آپ کے بیانات سن کر بہت خوشی ہوئی کہ الحمد للہ ہمارے طلبہ کا ذہن تعمیری اور مثبت ہے منفی نہیں اور پھر انہوں نے انجمن کے انتظام پر منتظمین کے شاندار اہتمام کی داد دی انہوں نے سپاسنامے کے حوالے سے کہا کہ انجمنیں باطل قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مفید اور مؤثر ذریعہ ہے اس لئے میں آپ کو تلقین کرتا ہوں کہ ان انجمنوں کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کامیاب بنانے کی کوشش کریں، انہوں نے طلبہ کو اس کے علاوہ بھی بہت سی گرانقدر نصیحتوں سے نوازا۔

انعامی مقابلہ میں شرکت کرنے والے طالب علم

جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب	تلاوت قرآن پاک					
جناب حافظ محمد ازہر عالم صدیقی	تقریر:-	عربی	موضوع:-	دینِ رحمت	انعام:-	اوّل
جناب حافظ محمد طارق صاحب	"	"	"	سیرتِ طیبہ	"	دوم
جناب غلام مصطفےٰ صاحب	"	اردو	"	تاریخ علماء دیوبند	"	اوّل
حافظ جمیل احمد صاحب	"	"	"	شہادت کا مقام	"	دوم
جناب حیدر اللہ صاحب	"	"	"	صحابہ کا شوق جہاد	"	سوئم
جناب ساجد الرحمٰن صاحب	"	"	"	فاروق اعظمؓ	"	سوئم
جناب کفایت اللہ صاحب	"	"	"	وقت کا تقاضہ	"	خصوصی انعام
جناب عبدالمجید صاحب	"	"	"	اکابر علمأ دیوبند	"	انعام شرکت مقابلہ
جناب محمد تقی صاحب	"	"	"	وعدہ	"	"
جناب عنایت اللہ صاحب	"	"	"	حکیم الامت حضرت تھانوی		"
جناب محمد جمیل کشمیری صاحب	"	"	"	اسوہ حسنہ	-	"
جناب محمد مسلم خان صاحب	"	فارسی	"	جہاد افغانستان	"	اوّل
جناب عبدالمالک ایرانی	"	"	"	خمینی انقلاب اور اس کے اہل سنت پر اثرات		دوم
جناب غلام ربانی صاحب	"	"	"	دور حاضر میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں		سوئم
جناب عبدالولی صاحب	"	"	"	جہاد کے فوائد و برکات	،	انعام شرکت مقابلہ
جناب حبیب الدین صاحب	"	"	"	تواضع	"	"
جناب محمد زکریا صاحب	مقالہ	عربی	"	نبی رحمت	"	اوّل
جناب حافظ محمد بدر عالم صاحب	"	"	"	کمیونزم اور اس کی مداخلت اسلامی شہروں میں	-	دوم

جناب محمد حسین صاحب	مقالہ	عربی	موضوع کمیونزم اور اسکی مداخلت اسلامی شہروں میں	انعام سوئم
جناب حافظ محمد یحییٰ عاصم	"	اردو	" جہاد افغانستان اور ملت اسلامیہ کی ذمہ داریاں	مقابلہ
جناب حافظ حبیب الرحمن صاحب	نظم	عربی	انعام شرکت مقابلہ	
جناب حافظ محمد عثمان صاحب	"	اردو	"	
جناب حافظ محمد عبد اللہ صاحب	"	"	"	
جناب محمد نعمان صاحب	"	"	"	
جناب محمد اسمٰعیل صاحب	"	"	"	
جناب محمد درویش صاحب	"	"	"	

منتظمین حضرات:

حافظ محمد عبد اللہ ۔ حافظ شمس الحسن ۔ حافظ عنایت اللہ ۔ حافظ حبیب الرحمٰن ۔ حافظ جمیل احمد ۔ حافظ محمد طارق ۔ حافظ محمد عاصم ۔ حافظ محمد ازہر عالم ۔ ساجد الرحمٰن ۔ حسین قاسم عبد الرحمٰن ۔ عبد الوہاب ۔ حفیظ اللہ ۔ محمد عثمان جنید ۔ شریف احمد ۔ حضرت اللہ ۔

(تبصرہ کیلئے ۲ دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

نام کتاب **دین و شریعت** (جدید اشاعت مع اضافات و ترمیمات)
تالیف :- حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ - سائز :- ۳۶ × ۲۳ / ۸ - کل صفحات :- ۲۸۰ -
قیمت :- ۲۱/- روپے - ناشر :- مجلس نشریات اسلام - ۱ - کے - ۳ - ناظم آباد نمبر ۱ کراچی ۱۸

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہٗ صاحب دل عارف، محقق عالم، نامور مصنف اور مشہور مذہبی اسکالر ہیں آپ کی جملہ تصانیف دین حق سے واقفیت کا بڑا ذریعہ ہیں آپ کو دین کے پیچیدہ مسائل کو آسان عبارت اور سہل زبان میں ذہن نشین کرانے کا خاص ملکہ حاصل ہے۔

ماہ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ (ستمبر ۱۹۵۲ء) میں کچہری روڈ لکھنو کے تبلیغی مرکز میں ایک تعلیمی و تربیتی ہفتہ ترتیب دیا گیا۔ اس سلسلہ میں مولانا موصوف کے ذمہ "دین و شریعت" کے عنوان پر روزانہ ایک گھنٹہ تقریر کا وقت مقرر ہوا۔ آں موصوف چھ دن کی تقریروں کے بعد بیماری کے سبب مزید دو دن تقریر نہ فرما سکے۔ ان تقاریر کو قلمبند کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ بعد میں ان تقاریر کو کتابی شکل میں تبدیل کر دیا گیا اور جس مجمل مضمون کی تفصیل کی ضرورت تھی اس کی تفصیل کر دی گئی اور جن مضامین میں اضافہ کی ضرورت تھی اس میں اضافہ کر دیا گیا اور اس طرح یہ کتاب نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ان غیر مسلموں کے لئے بھی رہنما بن گئی جو اسلام کو علمی، عقلی اور عملی طور پر سمجھنا چاہتے ہیں۔ اس کتاب میں دین کے صحیح فہم، مطالعہ اور صحبت کا نچوڑ آگیا ہے۔ اس کے ساتھ اس میں توازن، حقیقت پسندی اور معارف آگہی بھی ہے۔ یہ کتاب حشو و زوائد سے بالکل پاک ہے۔ بات کو ذہن نشین کرانے کے لئے بعض ذاتی واقعات اور دقیق حقائق سمجھانے کے لئے بعض مکالمے بھی نقل کئے گئے ہیں۔ جدید ذہن کی تعمیر کے لئے بعض نئے مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے مثلاً وحدت ادیان کے فتنہ کا رد، منکرین حدیث کی گمراہی کا بیان اہل السنۃ والجماعت کے بنیادی امتیازی کا اظہار نئے زمانے کے دیگر نئے شبہات و نظریات کا بطلان نفس پرستی کے خلاف جہاد۔ اعجاز قرآن پر مختصر لیکن مفید بحث، ارکان اربعہ کی اصل روح اور مقصد کی توضیح اس کتاب میں امراض کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ تدبیر و علاج بھی بتایا گیا ہے۔ بعض قدیم اور دقیق کلامی مسائل

کی بڑی خوبی کے ساتھ تلخیص و تسہیل کی گئی ہے۔ مثلاً رویت باری، جبر و قدر کا مسئلہ، آخرت کی ضرورت اور یہ کہ جزا و سزا اس دنیا میں کیوں نہیں دی جاتی۔ سلف صالحین کے اتباع کی کیا اہمیت ہے خلافت راشدہ کی عظمت و انفرادیت، سیاست و حکومت کے بارے میں متوازن و معتدل نقطۂ نظر اور جامع گفتگو۔

اس کتاب میں اخلاق کی اہمیت، معاملات و معاشرت، دین کی خدمت و نصرت، جہاد فی سبیل اللہ، دعوت حق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر پر پورا زور دیا گیا ہے اور ان پر مستقل ابواب اور مضامین ہیں۔ آخر میں احسان و تصوف کی بحث ہے۔ اس سلسلہ میں تصوف کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور طالبین تصوف کے لئے لائحہ عمل مرتب طریقہ پر پیش کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب دین اسلام کو سمجھانے اور اسلام کی ضروری تعلیم سے آگاہ کرنے کے علاوہ زندگی میں جامع رہنمائی بھی کرتی ہے۔ جس کو ایک مصروف درمیانہ درجہ کا آدمی اپنی زندگی کا دستور عمل بنا سکتا ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۷۸ھ (۱۹۵۸ء) میں شائع ہوئی تھی اب تک اس کے بیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اس کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی اور گجراتی زبانوں میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اب تک یہ کتاب (۲۰×۳۰/۱۶) کتابی سائز پر شائع ہوتی رہی ہے۔ زیر تبصرہ اشاعت نظر ثانی، متعدد ترمیمات اور بطور ضمیمہ کے ایک مستقل مضمون کے اضافہ کے ساتھ ۱۸×۲۳/۸ سائز میں موٹی کتابت اور بڑی تقطیع میں خصوصی تصحیح کے بعد شائع کی گئی ہے اور یہ اس کا اکیسواں ایڈیشن ہے۔ اس کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی شریعت کی طرف سے ذہنی اطمینان اور قلبی انشراح اور ذوق عمل بیدار ہوگا۔ کتابت، کاغذ، طباعت عمدہ ہے۔ خوبصورت سرورق کے ساتھ انمول تحفہ ہے اللہ تعالیٰ مؤلف، ناشر کی محنت کا بہترین صلہ عطا فرمائے آمین۔ (ا۔ غ۔ ب)

نام کتاب۔ **با محمدؐ با وقار** تالیف: حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ العالی۔
سائز:۔ ۱۸×۲۳/۸ ۔ کل صفحات:۔ ۱۷۶ ۔ قیمت:۔ -/۲۰ روپے
ناشر:۔ قاضی محمد ابراہیم ثاقب الحسینی۔ دار الارشاد۔ مدنی روڈ۔ اٹک شہر (پنجاب) پاکستان

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ العالی۔ دار العلوم دیوبند کے فاضل، کامیاب مدرس بہترین مصنف اور دین و شریعت کے عظیم مبلغ ہیں۔ آپ نے دین اسلام کے ضروری اور اہم مسائل پر مختلف کتب تالیف فرمائی ہیں جو مقبول عام ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب آپ کا عظیم شاہکار ہے۔

یہ کتاب عشق نبوی اور محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کرنے میں بہت مؤثر اور پُرتاثیر ہے۔ اس کے مطالعہ سے جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان کا نقش دل پر ثبت ہوگا وہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ محبت پیدا ہوگی۔

اس کتاب میں اسم پاک "محمد" کی شان و عظمت، برکات، چہرۂ انور کی زیارت کی برکات، فضائل درود شریف حضور پاک کی بدنی برکات، نبوت کے گستاخ کا انجام، رحمت دو عالم کا اسوۂ حسنہ جیسے بنیادی اور اہم موضوعات پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔

اس کتاب کا ہر گھر اور ہر محفل میں سنانا اور بچوں اور عورتوں کو پڑھنے کی تاکید کرنا انتہائی ضروری ہے ! ۔ اس کے مطالعہ سے ایمان تازہ، رسول پاک کی محبت و عظمت میں اضافہ اور گھر میں خیر و برکت پیدا ہوگی ۔

عمدہ کتابت، بہترین طباعت، سفید کاغذ اور خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ یہ بہترین تحفہ ہے جسے بار بار پڑھنے سے ایمان مضبوط اور یقین میں رسوخ حاصل ہوگا اور رسول پاک کی محبت اور عظمت کا نقش گہرا ہوگا قیمت زیادہ ہے جس کے سبب اس کا فائدہ وسیع حلقہ تک نہیں پہنچ سکتا ۔ بہرحال کتاب اپنی اہمیت و افادیت میں بے مثال ہے اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کی اس محنت کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

نام کتاب : حیاتِ عثمانیؒ (حیات علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ)

تالیف : پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹیؒ — سائز : $\frac{23 \times 18}{8}$

کل صفحات : ۵۶۸ — قیمت : درج نہیں ۔

ناشر : مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴ (پاکستان)

دارالعلوم دیوبند علوم دینیہ کا وہ عظیم مرکز ہے جہاں سے بیشمار تشنگانِ علوم فیضیاب ہو کر نکلے اور انہوں نے دُنیا کو زیورِ علم سے منور کر دیا۔ نہ صرف علم و فضل سے عالم کو سیراب کیا بلکہ انہوں نے زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ آزادیٔ وطن اور مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو قائم رکھنے کیلئے سخت جدوجہد کی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ بھی دیوبند کے باشندے اور دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ تھے۔ آپ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کے ترجمۃ القرآن پر مفید اور علمی حواشی تحریر فرمائے، حدیث شریف کی امہات الکتب میں شامل مسلم شریف کی بہترین شرح فتح الملہم تحریر فرمائی جو تین جلدوں میں شائع ہو کر خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ آپ کے تلامذہ میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ حضرت مولانا سید محمد بدرعالم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ جیسے آفتاب و ماہتاب شامل ہیں جنہوں نے علم و فضل سے دُنیا کو منور کیا۔

آپ نے آزادیٔ وطن کی عظیم جنگ لڑی اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم نے شیخ الاسلام عثمانیؒ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قیام پاکستان پر پاکستان کا پرچم سر بلند کرنے اور لہرانے کی درخواست کی۔ اور متعدد مواقع پر آپ کی خدمات کا شاندار الفاظ میں اعتراف کیا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں آپ نے اسلامی دستور کی تشکیل میں بھرپور حصہ لیا اور پاکستان کے دستور کی قراردادِ مقاصد پاس کرائی جو آج بھی دستور کا حصہ ہے۔

آپ کی شخصیت صرف ہند و پاکستان ہی کے لئے مایۂ ناز نہ تھی بلکہ دُنیائے اسلام کے لئے سرمایۂ نازش تھی۔ حضرت علامہ ایک ہی وقت میں عظیم مفسر، بے مثال محدث، فقیہ بے بدل، ماہر

علم کلام، عدیم المثال فلسفی، لاجواب مناظر، عربی، فارسی اور اُردو کے بہترین خطیب اور لاجواب ادیب تھے۔ سیاسیات میں بصیرت افروز نگاہ کے مالک تھے۔

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شان وعظمت اور علمی کمال کے سبب کسی بھی شاگرد یا معاصر کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے حالات زندگی پر کوئی کتاب لکھے۔ کیونکہ حضرت علامہ عثمانیؒ کے کمالات کا احاطہ کرنا اور آپ کی حیات کا حق ادا کرنا ممکن نہ تھا اور اس طرح حضرت علامہ کی زندگی کے حالات پر ایک عرصۂ دراز تک کوئی باقاعدہ کتاب سامنے نہ آسکی۔

جناب پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ آپنے علامہ عثمانی کی بابت چند کتابیں تحریر فرمائی تھیں۔ تجلیات عثمانیؒ: اس کتاب میں علامہ کے علمی، ادبی، سیاسی اور دیگر کارناموں پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ مکتوبات عثمانیؒ بنام انوار عثمانی: علامہ کے مکتوبات کا نادر مجموعہ۔ خطبات عثمانیؒ: حضرت علامہ کے خطبات اور سیاسی تحریکات اور سیاسی خدمات پر مشتمل مکمل روداد۔

بالآخر حضرت مولانا محمد انوار الحسن شیرکوٹیؒ نے آپ کی حیات کی تدوین کا کام شروع کیا اور انہیں نے اسے تحریر فرمایا اس میں آخری دو سال کی روداد لکھنی تھی کہ وہ بھی مرحوم ہو کر علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں پہنچ گئے اور اس طرح آخری دو سال کی روداد باقی رہ گئی لیکن کتاب ہر طرح سے مکمل ہے۔

مکتبہ نے اپنے اشاعتی معیار کو بلند سے بلند تر کر دیا ہے اور یہ کتاب بہترین کتابت، سفید اعلیٰ کاغذ، آفسیٹ کی طباعت اور مضبوط پلاسٹک جلد کے ساتھ بہترین تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ...گی میں تبدیلی کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

(ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب:۔ **سفر آخرت** مرتبہ:۔ جناب اعجاز احمد خان سنگھانوی

ناشر:۔ مکتبۃ الھدیٰ سی/ ۱۷۔ بلاک ۴۔ گلشن اقبال کراچی۔ سائز:۔ ۲۳×۱۸/۸ ضخامت ۱۳۶ صفحات

پیش نظر کتاب اخباری کاغذ پر عمدہ کتابت کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اسمیں مرض الوفات، اور سکرات ونزع کی کیفیات میں جو طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے، اس کی وضاحت کیگئی ہے، نیز موت واقع ہونیکے بعد میت کے غسل دینے، اس کو کفنانے اور دفنانے سے متعلق تمام تفصیلات تحریر کردی گئیں ہیں اس کے ساتھ ساتھ، مرحومین کے ایصال ثواب، شہید کے احکام، عذاب قبر، عالم برزخ اور قیامت کے احوال پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

ہم میں سے ہر شخص کو آخرت کے اس سفر پر جانا ہے، بلکہ ہمارا ہر دن ہمیں اس منزل سے قریب کرتا جاتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہم اس لازمی اور یقینی مرحلہ کی تیاریوں سے بالکل غافل رہتے ہیں۔ ہماری غفلت ہی کی یہ انتہا ہے کہ اگر ہم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو مرنیوالے کو نہلانے کفنانے اور دفنانے کے لئے بھی کرائے کے آدمی تلاش کرتے ہیں۔ اور مرنیوالا حسرت وعبرت کی تصویر بنا اپنی اس آخری خدمت کا منتظر پڑا رہتا ہے۔ جناب اعجاز صاحب نے اپنی اس تالیف میں آخرت کے مراحل سے غفلت اور سفر آخرت کے مسائل سے ناواقفیت دور کرنے کے لئے بہت شگفتہ اور سلیس انداز سے مستند اور معتبر مواد جمع کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو مقبول فرمائیں اور تالیف کو سفر آخرت کی تیاریوں کا ذریعہ بنادیں۔ آمین

(ر۔ا۔ح۔ ص)

بقیہ :- اکابر کی وصایا

یہ اخلاقِ نبویؐ ہے یہی تعلیم ہے ان کی ۔۔۔ بہت آسان ہے تم کو عمل چاہو اگر کرنا
تمہیں سنت سے الفت ہو تو چلنا اس طریقے پر ۔۔۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے تم عمل اس پر مگر کرنا
وصیت ہے یہی میری بس اپنے سب عزیزوں کو ۔۔۔ مدینہ آ کے بس جانا یہیں آ کر گزر کرنا
یہی صورت ہے بخشش کی کہ توبہ ہر گھڑی کرنا ۔۔۔ اگر ٹوٹے تو پھر کرنا مگر اس سے حذر کرنا
جو چاہو زندگی عزت کی اس کی ایک صورت ہے ۔۔۔ خدا کو یاد کرنا پھر نہ اس میں کچھ کسر کرنا
جو شب میں آنکھ کھل جائے تمہاری اپنی قسمت سے ۔۔۔ تو پھر تسبیح و استغفار کر کے سحر کرنا
تمہارا کام اک یہ ہو کہ سنت پر عمل کرنا ۔۔۔ ہر اک بدعت سے تم ڈرنا حذر کرنا حذر کرنا
شریعت پر عمل کرنا یہی شیوہ ہے مومن کا ۔۔۔ بہت معیوب ہے دیں میں اگر کرنا مگر کرنا
بہت بچنا تنعم اور تکبر کے طریقوں سے ۔۔۔ بس اک مسکین بن کر زندگی اپنی بسر کرنا
اگر درپے ہو کوئی بھی کسی ایذا رسانی کے ۔۔۔ تجاہل عارفانہ کر کے پھر بھی درگذر کرنا
اگر تم سے لڑے کوئی تو اس سے صلح کر لینا ۔۔۔ اگر غصہ کرے کوئی تو تم نیچی نظر کرنا
بہت مکروہ شرعاً ہے نقل منسوخ دینوں کی ۔۔۔ بہت مبغوض ہے دشمن کی صورت میں بسر کرنا
نہ رکھنا تم ذرا سا غم کسی کے کہنے سننے کا ۔۔۔ عمل دیں پر کئے جانا نہ کچھ خوف و خطر کرنا
جو کرنا ہے وہی کرنا فقط نقلوں میں غیروں کی ۔۔۔ خدارا شرع اسلامی کو مت زیر و زبر کرنا
ہمیشہ پالنا بچوں کو اسلامی طریقوں پر ۔۔۔ کہ آساں ہو انہیں ان پر عمل کرنا بسر کرنا
نمازیں ان کو پانچوں وقت پڑھوانا مساجد میں ۔۔۔ پھر اسلامی عقائد سے بھی ان کو باخبر کرنا
بچانا ہر قدم پر ان کو کافر کے تشبہ سے ۔۔۔ نہ کرنا نذرِ آتش ان کو تم اس سے حذر کرنا
بہت وسعت ملی ہے ہم کو دیں میں عیش و عشرت کی ۔۔۔ اسی حد میں بسر کرنا یہی چاہو اگر کرنا
جو ہو بے دین تم صحبت سے اس کی بھاگتے رہنا ۔۔۔ کبھی مسلم پر ذلت کی نہ تم ہرگز نظر کرنا
اگر ہم تم کو ملنا ہو تو ملنا ہوشیاری سے ۔۔۔ کبھی پر جلد بازی سے نہ حکم خیر و شر کرنا
ہمیشہ تم الگ رہنا بس اب جھگڑوں کی باتوں سے ۔۔۔ اگر بچنا ہو طوفاں سے تو ساحل پر بسر کرنا
سمندر میں ہے طوفاں زور پر سن لو سفر والو! ۔۔۔ نہ لنگر توڑنا کشتی کا جس پر ہو سفر کرنا
نہیں میں منع کرتا تم کو ہرگز زیب و زینت سے ۔۔۔ حدودِ شرع میں رہنا تجاوز سے حذر کرنا
فقط تعلیم دے دیکر بس اونچی ڈگریاں لینا ۔۔۔ تغافل ہی تغافل ہے ہمارا سر بسر کرنا
گذر کرنا بڑے انصاف سے اپنے پرایوں میں ۔۔۔ ہمیشہ بات سچ کہنا نہ طمع سیم و زر کرنا
بہت شدت سے رہنا کافروں میں مثل دشمن کے ۔۔۔ مقابل ہو اگر ان کے تو پھر سینہ سپر کرنا
کھٹکتے ان سے رہنا جو تمہارے دین کے دشمن ہوں ۔۔۔ جو دشمن پر مناسب ہے وہی ان پر نظر کرنا
پسِ پردہ جو درپے ہے تمہیں برباد کرنے کے ۔۔۔ وہ تم سے مکر کرتے ہیں مت ان سے درگذر کرنا
ترقی ہم نے سمجھی ہے سمجھنا دوست دشمن کو ۔۔۔ تم اس پر کچھ نظر کرنا خدارا پھر نظر کرنا
کوئی مردِ خدا اہلِ تصرف کاش پیدا ہو ۔۔۔ کہیں تم نے سنا ہے حرف باتوں کا اثر کرنا

میرا تو کام سمجھانا ہے مانو یا نہ مانو تم — تمہارا نفع ہوگا تم ہی چاہو گے اگر کرنا
جو گذرو روضۂ انور پہ تم اپنے مقدر سے — پسِ مُردن مجھے بھی یاد کر کے بہر در کرنا
بہت مذموم ہے شرعاً مچانا شور میت پر — ہے لازم صبر کر کے بس خموشی سے بسر کرنا
گریباں چاک کرنا اور دھاڑیں مار کر رونا — کبھی حرکت نہ تم ہرگز مثال نوحہ گر کرنا
اجازت ہے تمہیں اسکی کہ دل میں غمزدہ رہنا — اور اسکی بھی اگر چاہو تو اپنی چشم تر کرنا
یہ اسلامی شریعت ہے کہ چُپ رہنا مصائب پر — یہ رسمِ جاہلیت ہے کہ بَین و شور و شر کرنا
گذرنا ابنِ آدم کا نہیں ہے بات حیرت کی — ہے سنت حضرت آدم کی دنیا سے سفر کرنا
شفیع المذنبین کے سامنے سے مجھ کو لے جانا — بقیع پاک میں میرے لئے تیار گھر کرنا
ٹھہرنا قبر پر کچھ دیر یہ بھی ایک سنت ہے — کلام اللہ پڑھ کر پھر عنایت کی نظر کرنا
یہی درخواست ہے میری کہ مجھ کو عفو کر دینا — بہت کافی ہے مجھ کو بس یہ اتنی سی نظر کرنا
اگر تم عفو کر دو کاش مجھ کو میرے جیتے جی — کرم ہوگا مجھے بھی اس کرم سے باخبر کرنا
دُعا یہ ہے خدا تم کو نوازے دین و دنیا میں — تمہاری قدر میں نے کچھ نہ کی تم درگذر کرنا
میری حالت ابھی کچھ ہے تو تھوڑی دیر میں کچھ ہے — بہت دُشوار ہے مجھ کو تمہیں جلدی خبر کرنا
وہ سب کچھ کہہ دیا میں نے جو مجھ کو تم سے کہنا تھا — نہ کہنا مجھ سے پھر لازم تھا ہم کو بھی خبر کرنا
ضرورت ہے جہاں کو اب اسی مہدی کی آمد کی — جنہیں آسان ہوگا پھر جہاں کو آگے سر کرنا
بُلا کر میرے بچوں کو بسا لے اب مدینہ میں — خدایا سہل ہے تجھ کو اِدھر کرنا اُدھر کرنا
بہت حالت ہے خستہ ملتِ مرحوم کی اب تو — مرے مولیٰ کرم کرنا، میرے مولیٰ نظر کرنا [1]

حضرت مولانا محمد یٰسین کی وصیت:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ وفات سے ایک دن پہلے احقر سے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "شفیع بھول تو جایا ہی کرتے ہیں مگر اتنی بات کہتا ہوں کہ جلدی نہ بھول جانا۔" [2]

---

[1] وصایا ص ۸۰ تا ۸۲ - [2] ماہنامہ "البلاغ" کا مفتی اعظم نمبر ص ۹۳ -